

سرمدیت کا گہمان



حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی مجددی سیدنا سیدنا

کے سیرت و کردار اور تجدیدی افکار کا اجمالی تذکرہ



تصنیف لطیف

سراج العارفین حضرت علامہ

ابوالبلیان پیر محمد سعید احمد مجددی سیدنا سیدنا



سرمایه‌پرستی کا نگهبان



جُمْلہ حقوق بحق ادارہ محفوظ



ناشر

تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan

Ph:+92 55 3841160, Fax:055 3731933 Mob: 0333 7371472

URL: www.tanzeemulislam.org

E-mail: tanzeemulislam@yahoo.com tanzeemulislam@hotmail.com



باراول جنوری 2011 تعداد 2,200

حصہ 300 روپے

حترم اہل بیت علیہم السلام الشیخ احمد فاروقی حنفی منبری مدظلہ

کے سیرت و کردار اور تجدیدی افکار کا اجمالی تذکرہ

سیرت و کردار کا اجمالی بیان

تصنیف لطیف

سراج العارفین حضرت علامہ

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد راجوی مدظلہ

مکتبہ اسلامیہ پاکستان

121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ پاکستان +92-55-3841160



رَبِّنا اِنَّا نَسئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ
وَعَفْوِكَ وَرِزْقِكَ وَرِزْقِ
رَبِّنا اِنَّا نَسئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ
وَعَفْوِكَ وَرِزْقِكَ وَرِزْقِ
رَبِّنا اِنَّا نَسئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ
وَعَفْوِكَ وَرِزْقِكَ وَرِزْقِ
رَبِّنا اِنَّا نَسئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ
وَعَفْوِكَ وَرِزْقِكَ وَرِزْقِ

رَبِّنا

تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
وَتُبَّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

اللَّهُمَّ

إِنَّكَ عَفُوفٌ نَحَبُ الْعَفْوِ وَأَعْفُ
يَا عَفُورُ يَا عَفُورُ يَا عَفُورُ

اسْتَعِذْ بِاللَّهِ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَتُحِبَّ مَا كَرِهَ اللَّهُ

مَنْ سَبَّكَ أَقْوَمُ وَفَعَلَ خَطِيئَتَهُ وَسَبَّكَ نَاطِلٌ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ



صَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

الافتاء

ارمغان نیاز بحضور نیاز

امیر کاروان احراریہ

قیرنسبت نقشبندیہ

خواجگہ بے رنگ

خواجگہ خواجگان

عارف باللہ حضرت خواجہ
محمد باقی باللہ احراری
دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ

جن کی نظر کیمیا اثر نے

حضرت امام بانی عظیمہ المصطفیٰ الشیخ الحدیث قاری وحقی متوسلین علیہ السلام

جیابخت رنگ میرا تراشا

جس کی خوباریوں سے اسلامی افکار اور روحانی اقدار ہمیشہ جھمکتی رہیں گی

گر قبول اقدار ہے عز و شرف

حیدرآباد قریب قریب احراری



الله
رسوله
محمد

اللَّهُ
رَسُولُهُ
مُحَمَّدٌ

Diagram illustrating the calligraphic structure of the Basmala (Bismillah). The word "الله" (Allah) is written at the top. Below it, three vertical lines descend to the word "رسوله" (his messenger). From the base of these lines, three more vertical lines descend to the word "محمد" (Muhammad). The diagram shows the alignment and vertical flow of the text, with small letters and symbols indicating the specific calligraphic strokes and their directions.



فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
۱۳	مناقب
۱۹	مختصر تعارف
	<u>باب اول</u>
۳۳	سیرتِ امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا اجمالی تعارف
۵۵	مجدد الف ثانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> تعریف و تحقیق کے آئینہ میں
۶۳	حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور منصبِ قیومیت
۷۷	بقیہ طینتِ محمدی کا مرقع
۸۵	مکتوباتِ امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی اہمیت و افادیت
	<u>باب دوم</u>
۱۰۳	حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا نظریہ توحید
۱۳۳	حقیقتِ محمدیہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۱۵۱	تفضیلِ سیدنا صدیق اکبر <small>رضی اللہ عنہ</small> اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۱۶۷	علمِ کلام اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
	<u>باب سوم</u>
۱۷۵	متابعتِ نبوی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۱۸۳	نسبتِ نقشبندیہ اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۱۹۷	اہل سنت اور اہل بدعت حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی نظر میں
۲۳۳	مسئلہ نیت اور حضرت امام ربانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۲۳۵	عصر حاضر میں شیخ مجدد <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے کردار کی ضرورت

پیش لفظ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کی وہ عبقری اور ہمہ صفت موصوف شخصیت ہیں کہ جن کی خدمات دینیہ اور مکتوبات قدسیہ، بلاشبہ ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ ایسے پر آشوب دور میں جلوہ گر ہوئے جب ہر طرف سے احکامات الہیہ اور تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب عظمت کو خود ساختہ دین الہی نے گرہن زدہ کر رکھا تھا۔ قرآن و سنت کے نور کو بے نور کرنے کی سعی نامشکور میں جہاں کفر والحاد اور لادینیت نے پنچے گاڑ رکھے تھے وہاں لباس خضر میں نام نہاد مذہبی ناخداؤں کا بھی نمایاں کردار تھا۔ اسلام کی ناؤ بحر ظلمات میں ہچکولے کھا رہی تھی جو اسے سہارا دینے کی کوشش کرتا، فرمان شاہی اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیتا اور وہ قابل گردن زدنی قرار پاتا غرضیکہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کو شرک و بدعت اور کفر و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دھکیلا جا رہا تھا۔

فطرت اپنے مقاصد کی تکمیل و تعمیر خود کرتی ہے۔ مشیت ایزدی سے ایسی شخصیت منصب شہود پر آئی جو مصطفوی کردار اور فاروقی للکار سے مست و سرشار تھی جس نے متحدہ قومیت کے بت کو پاش پاش کر دیا یوں گلشن اسلام میں پھر سے بہار آگئی۔ واللہ الحمد

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد اور مکتوبات قدسی آیات، آپ کی ایسی باقیات صالحات ہیں جنہوں نے عالم اسلام اور برصغیر کی تہذیب و سیاست پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے۔ آپ کے صاحبزادگان کی سیاسی بصیرت کی بدولت ہی

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں، برسرِ اقتدار آیا۔۔۔ سلطان اورنگ زیب جیسا صالح اور محی الاسلام بادشاہ بھی خانوادہ مجددیہ کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ غلامہ اقبال مرحوم نے جس کے متعلق کہا تھا

درمیانِ کار زارِ کفر و دین
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

مجھہ تعالیٰ آپ کی تعلیم و تحریک کے اثرات و برکات آج بھی زندہ و پائندہ ہیں موجودہ پر فتن دور میں صیہونی یا غار اور طاغوتی لاکار کی سرکوبی کیلئے آپ کے کردار و افکار برابر رہنمائی کرتے ہیں بشرطیکہ آپ کی انقلابی تعلیمات کو ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھا جائے۔

زیر نظر کتاب حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی افکار اور انقلابی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ اس کے زیادہ تر مضامین ہمارے پیر و مرشد سراج العارفین خواجہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔ البتہ بعض مسودات آپ کے تصرفات باطنیہ اور توجہات قدسیہ کے ہی مرہونِ منت ہیں جو آپ کے خوشہ چینیوں نے مرتب کیے ہیں۔ ماشاء اللہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کا شرف ابوالبیان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور تنظیم الاسلام گرافکس کے احباب کو نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو مشکور فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر کوئی علمی و تحقیقی نقض پائیں تو دامنِ عنق میں جگہ دیتے ہوئے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

إِن أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

حیدرآباد ضلع فیض آباد مجلہ

سجاد نشین دہاکہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ

خراج عقیدت

بم حضور
امام ربانی مجدد الف ثانیؒ



وَبَلِّغْ أَمْرَ الشَّيْخِ إِلَىٰ أَنْ لَا

يُحِبُّرَ الْأُمُومِن تَقَىٰ وَلَا يَغِيضُ

الْأَفَاجِرَ شَيْئًا

شیخ (حضرت) امام ربانی قدس سرہ کا معاملہ یہاں تک
پہنچ چکا ہے کہ مسیحی مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی
اور مسیحی فاجر ہی کو آپ سے عداوت

اس حضرت سے ذرا اللہ محمد وکرم ماخوذ از رسالہ القدرہ

منقبت

بگو داستان ز احمد نقشبند
 کہ داری دل از داغ مهرش سپند
 گزشتہ بیک گام زیر نہ طبق
 ز قدوسیان بردہ گوئے سبق
 بسندوستان گرچہ دارد مقام
 بالائے ہفتم فلک ماندہ گام
 مربع نشیں و سدس سرا!
 براہش جبیں سودہ ہفتم سما
 نگیں گشتہ در حلقہ اولیاء
 چو در انبیاء خاتم الانبیاء

حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت

بن حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی نقیب اللہ

منقبت

اے خاک پاک روضہ عبیری و عنبری
 ساقی فشانہ بر تو خوش آئے کہ اہل دہر
 ہترے ز خاک خلد تو داری کہ اہل ارض
 نے نے تراز تربت یثرب سرشتہ اند
 ایں خاک احمدی است بذات احد نگر
 اہلاً و مرجاً پے زوار تو بے !
 یارب مکن خلاص ازیں خاک در مرا
 شیرے بخواب ناز بہ پہلوئے دوشبل
 کہ اہل جہاں ز بولے تو مدہوش گشتہ اند
 عاقل پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند !
 یک نغمہ تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
 پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
 نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
 اقبال بعد بر رخ اعدا ت بستہ اند
 بد حال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند
 یارب چہ راز ہا است کہ ازیں جانہفتہ اند

تنہا غنی نہ مدح نغمہ تو ساز کرد

کز و بیاں عرش ہمیں گو نہ گفتہ اند

حضرت شاد عبد الغنی محدث ماہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عرضِ نیازِ ایشیم بر مزارِ حضرت مجددِ عظیم رحمۃ اللہ علیہ

جنابِ حضرت شیخ احمد آل کہ شد سرہند
مجددِ است بہ تحقیق الفِ ثانی را
مجددِ آل کہ بہ تجدیدِ دین و شرع و زا
بہ باغِ دہر ز بعدِ ہزار سال ازوے
ز آسمانِ ولایت مہ درخشاں شد
ہزار دستہ گل از گلشنِ دُرد و سلام
بہ پیش گاہِ حضورش بہ صد ہزار نیاز
بلند کن علمِ اعتلائے مذہب و دین
ز نورِ مشعلِ دین بر فروزِ راہِ یقین
جہاں ز ظلمتِ فسق و فساد پُر گردید
بہ قمعِ بدعت و ظلم و فساد جہدِ ثمانے
جہاں دیگرے از صدق و عدل آباد کن

ز فیضِ روضہ اش از روضہٴ جناں خوشتر
بود بہ رتبہٴ قیومی آئسب و اجدر
ز غیبِ قوتِ تائیدِ نصرت است و ظفر
گرفتہ گلشنِ تجدیدِ زینت و زیور
کہ مہراوست بہ بانہائے تیرہ زوشگر
بہ بارگاہِ فلکِ جاہِ او بہ ہدیہٴ بزر
زساں بہ عرض کہ اے برگزیدہٴ ذاور
نما، ز نعرہٴ تکبیرِ گوشِ گردوں کر
کہ روزِ روشنِ ماسد ز شامِ تیزہ تر
بر از روضہٴ بہ اعتلائے دین بند کمر
بہ سانِ عمدِ جہانگیر و ذوزہٴ اکبر
چو عمدِ حضرتِ صدیق و حضرتِ عمر

ز راہِ ظلمت و بدعت بشر نہ بیند خیر

کہ ہست سنتِ خیر البشر بہ خیر بشر

حضرت عبد السلام ایشیم مجددی کابلی

منقبت

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جمانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار!

علامہ محمد اقبال مرحوم

(بال جبریل)

منقبت

کیا نہادِ شکستہ دیں کو آ کے پھر استوار تُو نے
 خزاں رسیدہ چمن کو پھر کر دیا سراپا بہار تُو نے
 زمین سرہند کر لیا اپنا عرشِ رفعت وقار تُو نے
 سلا کے آغوشِ عاطفت میں نقیب پروردگار تُو نے
 عجم کے ماحول کے سبب جو اسے مکدر کیے ہوئے تھا
 رداے زوحانیت کے دامن سے دھو دیا وہ غبار تُو نے
 دلوں کو پھر سے سکھائی تُو نے ادائے بے باکیِ محبت
 کیا ہے صدیق اور حیدر کا آ کے زندہ شعار تُو نے
 ہوس کی ریشہ دوانیوں سے رداے غیرت تھی پارہ پارہ
 کیا رفو آ کے پھر فقیری کا دامن تار تار تُو نے
 اثر ذرا بھی نہ ہو سکا تجھ پہ سیلِ باطل کی یورشوں کا
 جہاں کو بن کر دکھا دیا حق کا ساحلِ استوار تُو نے
 معافضائے بسیط میں اڑ گئے دھوئیں دینِ اکبری کے
 جو آ کے ہندوستان میں پھونکا فسوںِ باطل شکار تُو نے
 دکھایا ایماں کا اس طرح زور فقر و شاہی کے معرکے میں
 بڑھا دیا ہے سریرِ شاہی سے بوریے کا وقار تُو نے

عبائے شاہنہشی پہ خندہ زن ہوئی ہے گلیم بُودر
 بہ یک نگہ محفلِ جہاں کے بدل دیئے کاروبار تُو نے
 خرد کی بادِ سموم سے برگ و بار مُرجھا چلے تھے سارے
 کیا ہے کشتِ یقیں کو سیراب آ کے اُبرِ بہار تُو نے
 رہے گا محفوظ حشر تک جو کہ دستِ باطل کی یورشوں سے
 سر فقیری پہ آ کے رکھا وہ تاجِ پُر افتخار تُو نے
 دلِ عجم کو کیا ہے مسحور نغمہ ہائے حجاز سے پھر
 بڑے سلیقے سے چھیڑ کر بربطِ محبت کے تار تُو نے
 تری نوائے جرس کی دُھن پر ہے گامزن ذوقِ رہ نوردی
 عطا کیا ہے رہروِ طریقت کو شوقِ منزل شکار تُو نے
 رفو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری ابد تک
 کیا ہے دامانِ شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تُو نے
 خزینہٗ لازوالِ حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد!
 لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تُو نے
 بڑے سکوں سے اس آشیاں بند شاخِ نخلِ مُراد پر اب
 کیا ہے دامِ خرد سے فیضِ حزیں کو یوں رستگار تُو نے



خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ عریضی

دارتِ مسند آلو مہار شریف سیالکوٹ

سراج العارفين، شہباز طریقت، شارح مکتوبات امام ربانی

حضرت علامہ
ابوالبلیان پیر محمد سعید احمد رجبی

مختصر تعارف

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

سراج العارفين حضرت علامہ ابوالبلیان پیر محمد سعید احمد رجبی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ صفت موصوف انسان تھے جن کا شمار عالم اسلام کے نابغہ روزگار علمائے شریعت، عرفائے طریقت اور خطبائے ملت میں ہوتا ہے۔ توحید الہی پر ایمان آپ کی بندگی کا اثاثہ اور عظمت رسالت پر ایقان آپ کی زندگی کا خاکہ تھا۔ آپ فقر غیور کے ترجمان اور عشق جنور کے نگہبان تھے۔ سادگی و پرکاری آپ کا مزاج اور بے خودی و ہوشیاری آپ کی معراج تھا۔ آپ رعنائی و زیبائی کا منبع اور دلبرائی و پارسائی کا مرقع تھے۔ آپ جمال و کمال کا حسین سنگم اور اخلاص و للہیت کا عظیم مجسمہ تھے۔ آپ صوفیاء کے لئے سراپا ادب و نیاز، علماء کیلئے مروت و ایثار اور عامۃ الناس کے لئے شفقت و پیار کی آبشار تھے۔

شریعت و طریقت کے جامع ہونے کی بدولت آپ نے لوگوں کے چہروں کو نور سنت سے مزین اور سالکوں کے دیدہ و دل کو نور طریقت سے منور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد از وصال بھی آپ کے آستانے پر رندوں کی دھوم اور عاشقوں کا ہجوم رہتا ہے۔

اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

قدرت نے آپ کی ذات ستودہ صفات کو گونا گوں خوبیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ بلاشبہ آپ شریعت کے عالم بھی تھے اور طریقت کے حامل بھی..... سنت کے عامل بھی تھے اور شیخ کامل بھی..... عاشق رسول اللہ بھی تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی..... مایہ ناز خطیب بھی تھے اور بلند پایہ ادیب بھی..... کتاب و سنت کے حامی بھی تھے اور شرک و بدعت کے ماحی بھی..... مرد فقیر بھی تھے اور پیر روشن ضمیر بھی..... غرضیکہ آپ حسن صورت اور حسن سیرت کا حسین امتزاج تھے۔

خاندانی پس منظر

کون جانتا تھا کہ خطہء کشمیر جنت نظیر میں حضرت مولانا لال دین عظیمی کے گھر ۱۹۲۳ء بروز جمعۃ المبارک بوقت فجر پیدا ہونے والا یہ بچہ ایک دن روشن آفتاب بن کر چمکے گا اور حضرت مجدد الف ثانی عظیمی کے افکار و نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دے گا جسے گذشتہ چار صدیوں میں کوئی نہ کر سکا۔

۰..... آپ کا خاندان ۱۹۲۷ء میں جب ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ضلع جہلم تحصیل سرانے عالمگیر کے گاؤں ”اورنگ آباد“ میں قیام کیا۔

۰..... آپ کے والد گرامی حضرت مولانا لال دین عظیمی ایک عالم باعمل اور صوفی منش بزرگ تھے۔ والدہ مرحومہ درد دل رکھنے والی نہایت نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ والدین کی حسن تربیت اور آغوش ولایت نے آداب فرزندگی سکھائے، اس طرح خود شناسی و خدا شناسی اور خود آگہی و خدا آگاہی آپ کو ورثے میں ملی۔

یہ حق آگاہی ، یہ خوش گوئی ، یہ ذوق معرفت
یہ طریق دوستی ، خودداری و تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے

..... آپ کا سلسلہ نسب صحابی رسول، حضرت وحیہ کلبیہ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے جو نہایت
حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام جب کبھی لباس بشری
میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے تو اکثر حضرت وحیہ کلبیہ کی صورت میں
متشکل ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حسن و جمال کی جھلک آپ میں نمایاں نظر
آتی تھی۔

ان کی ذریت کا ہر ذرہ نہ کیوں ہو آفتاب
سر زمین حسن سے نکلی ہے یہ کانِ جمال

تعلیمی زندگی

گھریلو مذہبی ماحول کی وجہ سے سکول کی تعلیم کے بعد جہلم، لاہور اور
گوجرانوالہ کے مختلف دینی مدارس میں ممتاز اور جید علمائے کرام سے علوم دینیہ کا
اكتساب کیا۔

..... جامعہ نظامیہ لاہور سے تنظیم المدارس کے تحت الشہادۃ العالمیہ (ایم اے عربی و
اسلامیات) کا امتحان پاس کیا۔ علاوہ ازیں

..... شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ قرآن پڑھا۔

..... امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان) سے سند حدیث
حاصل کی۔

خطابت

عشق رسول میں ڈوبی ہوئی آواز، سخن دل نواز، محبت بھرالہجہ و انداز، تجنیس الفاظ، مترادفات کی دل نشینی، استعارات آفرینی، مطالب کا سیلاب، اشارات و کنایات اور تلمیحات و محاورات کا وافر استعمال آپ کی خطابت کے دلنشین عناصر اور آپ کے عمیق مطالعہ کا بین ثبوت ہیں۔ جب آپ خطابت کے لؤلؤئے لالہ لٹاتے تو کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور درد و سوز میں گندھا ہوا بیان یوں محسوس ہوتا

بات کرتا ہے کہ خوشبو کو بدن دیتا ہے

اس کا لہجہ تو کلیوں کو دہن دیتا ہے

○..... خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیرسید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (آلو مہار شریف) کی 25 سالہ صحبت و رفاقت اور تربیت و شفقت نے آپ کے دینی، روحانی، فکری، اور ادبی رجحانات میں مزید نکھار پیدا کیا جس سے میدان خطابت میں آپ کو عالمگیر شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

○..... آپ کی خطابت کی جولانی، شعلہ بیانی اور سلاست و روانی کو دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ابوالبیان“ کا لقب عطا فرمایا جو آپ کے نام کا جز و لازم بن کر رہ گیا۔

دراصل آپ کی بے مثال اور شہرہ آفاق خطابت کے پیچھے اپنے مرشد و مربی حضرت خواجہ صوفی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی وہ تاثیرات ہیں جن کی بدولت موصوف کو بے پناہ شفقتوں سے یوں نوازا گیا کہ

”محمد سعید تجھ پر تقریر نازل ہوا کرے گی“

یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہم عصر نامور علماء کرام اور مشائخ عظام آپ کی معراج

خطابت کے معترف تھے۔

عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قیام

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عزم بالجزم کرتے ہوئے آپ نے فروری ۱۹۸۰ء میں عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے تحت نوجوانوں کی علمی، فکری، نظریاتی تربیت اور روحانی ذوق کی آبیاری کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے قیام کا بنیادی مقصد تعلیمات کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت، غلبہء اسلام کیلئے مسلمانوں کو متحد و منظم اور ان کی علمی و عملی، فکری اور روحانی تربیت کرنا ہے تاکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے نئے دور کا آغاز ہو سکے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے

تحریکی سرگرمیاں

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے تاہم پھر بھی آپ جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہلسنت اور دیگر کئی مذہبی و سیاسی تنظیموں میں نمایاں عہدوں پر تبلیغی و روحانی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

..... ۰ عرصہ تین سال تک آزاد کشمیر کی سب سے مؤثر دینی اور سیاسی تنظیم جمعیت علمائے جموں و کشمیر کی صدارت کے فرائض بھی انجام دینے لیکن جلد ہی عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

سنی جہاد و نسل کا قیام

غلبہء اسلام، آزادی کشمیر اور تکمیل پاکستان کے لئے آپ نے ایک ہزار علماء و

مشائخ کی موجودگی میں ۲ مارچ ۱۹۹۲ء کو راولپنڈی میں آل جموں و کشمیر سنی جہاد کونسل کی بنیاد رکھی جس کے پہلے کنوینیر آپ ہی تھے۔ اور تادم آخر شدت علالت کے باوجود پاکستان اور کشمیر میں اسلامی و روحانی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لئے عملی جہاد میں مصروف رہے۔

دینی مدارس کا قیام

آپ نے ۱۹۸۲ء میں جی ٹی روڈ بالمقابل ریگل چائنہ گوجرانوالہ (بطرف لاہور) پانچ ایکڑ اراضی پر مشتمل مرکزی دارالعلوم اہل سنت و جماعت (جامعہ ریاض المدینہ) کی بنیاد رکھی اب یہ دارالعلوم المدینہ اسلامک یونیورسٹی کے نام سے علوم اسلامیہ و عصریہ کا حسین سنگم ہے۔

یہاں نہایت خوبصورت انداز میں تعلیمی نظام شروع فرمایا تو دیکھتے ہی دیکھتے تشنگان علم و حکمت اس مادر علمی کی طرف اُٹھ آئے۔ سینکڑوں طلباء زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کیلئے شہر سے باہر اس دارالعلوم میں نہایت ذوق و شوق سے تشریف لاتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ نہایت احسن انداز میں یہ علمی سلسلہ قائم ہوا مگر بعض جاہ پسند عناصر کیلئے یہ بات بڑی ناگوار تھی کہ دین متین کے اس نظام کی قیادت حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں؟۔ لہذا انہوں نے ہر سطح پر آپ کی زبردست مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ بادل نخواستہ آپ اس نظام سے دست کش ہو گئے مگر معاندین کی پوری کوشش کے باوجود یہ تعلیمی نظام معطل ہی رہا بالآخر انہیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ یہ نظام چلانا ہمارے بس کاروگ نہیں پھر سالہا سال کے تعطل کے بعد بجدہ تعالیٰ یہ نظام انہیں دوبارہ آپ ہی کی زیر سرپرستی دینا پڑا۔ اب یہ دارالعلوم بڑے احسن انداز میں دارشان منبر و محراب کی تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

-۰ گوجرانوالہ ڈویژن میں اہل سنت کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ A بلاک ماڈل ٹاؤن کے بانی و مہتمم بھی آپ ہی ہیں۔
-۰ کئی مرتبہ بیرونی ممالک (برطانیہ، آسٹریلیا، ملائیشیا، عراق، سعودی عرب، ہندوستان وغیرہ) میں تبلیغی و روحانی دورے بھی فرمائے۔
-۰ ماشاء اللہ آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ اور متعدد عمروں کی سعادت بھی آپ کے حصے آئی۔

تبلیغی کاوشیں

- آپ نے دین اسلام کے بنیادی نظریات اور کتاب و سنت کی آفاقی تعلیمات سے عوام الناس کو روشناس کرانے کے لئے مجلس دین و دانش کے تحت مختلف دروس قرآن و حدیث و تصوف کا سلسلہ شروع فرمایا جن میں بالخصوص قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف اور مختلف قرآنی مضامین کی تعبیر و تشریح آپ کے موضوع سخن ہوتے تھے۔
-۰ دروس احادیث میں خصوصاً شامل ترمذی کچھ ایسے ایمان افروز اور دل کش انداز میں بیان فرماتے کہ سامعین پر رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔
-۰ تصوف و طریقت کے نہایت باریک، لطیف اور دقیق مسائل و معارف پر شرح و بسط کے ساتھ کلام کرنے اور عامۃ الناس کے قلوب و اذہان میں صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کرنے کی صلاحیت خصوصی طور پر قدرت نے آپ کو ودیعت فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب مستطاب کشف المحجوب کا مسلسل ۸ سال تک ہفتہ وار درس ارشاد فرماتے رہے۔
-۰ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی علوم و معارف پر مشتمل آپ کی تصنیف لطیف ”مبدأ و معاد“ احباب کو سبقاً پڑھایا۔
-۰ نیز مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا تقریباً ربع صدی درس ارشاد فرمایا۔

روحانی نسبت

آپ کو درد و سوز اور تصوف و طریقت کی طرف میلان ورثہ میں ملا تھا۔ قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر زبدة الفقراء حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ خاص آلو مہار شریف سیالکوٹ) سے ملاقات ہوئی جو مادر زاد ولی اور بلند پایہ صاحب حال صوفی تھے۔ ان کی نگاہ ولایت نے پہلی ہی نظر میں اس جوہر قابل اور گوہر نایاب کو پہچان لیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرمایا۔ پھر شیخ کامل کی روحانی توجہات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو منازل سلوک طے کروا کے نہ صرف خرقہ خلافت سے نوازا بلکہ ”شہباز طریقت“ کا لقب بھی عطا فرمایا۔

آپ کے شیخ کامل حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر روز قیامت خدا نے پوچھا اے محمد علی! دنیا سے کیا لائے ہو تو میں اپنے محمد سعید احمد کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہ ایزدی میں پیش کر دوں گا۔

حاصل عمر شار رہ یارے کردم

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

آپ کی اعلیٰ روحانی و علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے اندرون و بیرون ملک کے جلیل القدر مشائخ عظام نے جملہ سلاسل طریقت مثلاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ وغیرہا کے فیوض و برکات اور خرقہ ہائے خلافت و اجازت سے نوازا۔ یوں آپ کی ذات بابرکات جملہ سلاسل طریقت کے فیوض و برکات کی جامع و سنگم قرار پائی۔

جن مشائخ عظام نے آپ کو خرقہ خلافت و اجازت سے نوازا ان میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ
(تاجدار آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ)
- شیخ المشائخ حضرت پیر محمد فضل شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک)
- پیر طریقت حضرت خواجہ محمد غلام فرید شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(سجادہ نشین نتھیال شریف ضلع اٹک)
- شہزادہ غوث الوریٰ حضرت صاحبزادہ پیر سید محمد انور شاہ گیلانی بغدادی مدظلہ
(سجادہ نشین سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد)
- غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان)
- شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (وزیر آباد)
- شیخ الشیوخ حضرت العلام شیخ ابوالنور شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (دمشق)
- پیر طریقت حضرت صاحبزادہ پیر سید عاشق حسین شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرہند شریف (انڈیا) حال مقیم شیخوپورہ پاکستان)

بحیثیت شیخ طریقت

شیخ کامل مکمل نبوت و رسالت کی نیابت و خلافت کے طور پر سالکین کی قلبی تنویر اور باطنی تطہیر کر کے انہیں منزل آشنا کرتا ہے۔ نقشبندوں کا قافلہ سالار اراشد کے مصداق آپ سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کروانے میں بہت مشاق تھے۔ کئی احباب کو ایک ہی توجہ سے عالم امر اور عالم خلق کے لطائف طے کروا دیتے تھے۔ دیگر سلاسل طریقت کے سالکین بھی آپ سے توجہات قدسیہ اور باطنی رہنمائی حاصل کرتے تھے بلکہ بعض نامور مشائخ بھی آپ سے اسرار طریقت سیکھتے اور روحانی مسائل دریافت کرتے رہے۔

تصانیف عالیہ

جس طرح آپ نے فن خطابت میں اپنی عظمتوں کا لوہا منوایا اسی طرح آپ میدان تحریر کے بھی شاہسوار تھے۔ آپ کی تصنیفات جلیلہ ادب و انشاء کا عظیم شاہکار ہیں جن میں تحقیق و تدقیق کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار اور بر محل اشعار کا استعمال قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ ان میں علوم و معارف، حقائق و دقائق، شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے دریا بہا دیئے گئے ہیں جن کا صحیح ادراک و احساس ان کے مطالعہ و ملاحظہ سے ہی ممکن ہے۔ تا حال آپ کی درج ذیل تصانیف منظر عام پر آئی ہیں جبکہ متعدد منصوبہ جات ابھی تشنہ تکمیل ہیں۔

- البینات شرح مکتوبات (مطبوعہ چار جلدیں، مزید کام جاری ہے)
- سعادت العباد شرح مبداء و معاد (مکمل دو جلدیں)
- البیان (تقریری مجموعہ)..... جلد اول ، دوم ، سوم ، چہارم ، پنجم
- تذکرہ مشائخ آلومہار شریف
- اسلام میں عید میلاد النبی کی حیثیت ○ کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضے
- مقالات ابوالبیان ○ ایمان اور اس کے ثمرات
- آداب الحرمین ○ سرمایہ ملت کا نگہبان
- صلوات الابرار (مجموعہ درود و سلام)
- قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف (زیر ترتیب)
- شرح شمائل ترمذی (زیر ترتیب)
- شرح کشف المحجوب شریف (زیر ترتیب)

وصال با کمال

جملہ سلاسل طریقت کی نسبتوں کے حامل یہ مرد وحید اپنے مشائخ کرام کے تفویض کردہ روحانی و تبلیغی مشن کی تکمیل و تشہیر کے بعد یہ تبلیغی و روحانی نظام اپنے جانشین مکرم مدظلہ کے سپرد فرما کر آخر کار 10، 11 اگست 2002ء بروز اتوار بمطابق یکم جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ کو واصل باللہ ہو گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون

جانشین حضرت ابوالبلیان مدظلہ

آپ کے وصال با کمال کے بعد آپ کا کاشت فرمودہ چمن اپنی بہاریں روز افزوں بکھیر رہا ہے، اس گلستان علم و عرفان کی آبیاری پروردہ آغوش ولایت حضرت علامہ صاحبزادہ پیر محمد رفیق احمد مجددی مدظلہ فرما رہے ہیں۔

حضرت جانشین محترم مدظلہ ایک بلند پایہ علمی، فکری اور روحانی شخصیت ہیں۔ قدرت نے آپ کو یقین محکم، عمل پیہم، بلند ہمتی اور وسعت قلب و نظر جیسی گونا گوں صفات سے متصف فرمایا ہے۔ آپ کی زیر قیادت عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قافلہ شوق اندرون و بیرون ملک علمی، ادبی، فکری، تحقیقی، تصنیفی، تبلیغی اور روحانی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور بیسیوں مساجد و مدارس کی تعمیر و تاسیس کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔ یہ مدارس علوم اسلامیہ و عصریہ کا حسین سنگم ہیں جہاں ہزاروں طلباء و طالبات زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ اس طرح آپ کی انتھک کاوشوں سے عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا دائرہ عمل وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

.....آپ نے اپنے مرشد و مربی حضرت ابوالبلیان رضی اللہ عنہ کے نقوش سیرت کو اپناتے ہوئے نہایت تھوڑے وقت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن میں خصوصاً دختران اسلام کی تعلیم و تربیت کیلئے عظیم الشان تنظیم الاسلام ایجوکیشن سنٹر کا قیام.....

درگاہ حضرت ابوالبلیان رضی اللہ عنہ کی تعمیر و تزئین..... مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ کی تعمیر نو اور تیسری بلڈنگ کا اضافہ..... تنظیم الاسلام ریسرچ سنٹر کیلئے دو عدد خوبصورت وسیع لائبریریاں..... اور جامعہ مدینۃ الاسلام کے طلباء کیلئے عظیم الشان تعلیمی درہائشی بلاکس کی تعمیر و تکمیل ہے۔

..... آپ نے ارباب ذوق اور عامۃ المسلمین کی باطنی تطہیر اور قلبی تنویر کا خوب سامان بہم پہنچایا ہے۔ جن میں سرفہرست ادارہ کے مرکزی سیکرٹریٹ درگاہ حضرت ابوالبلیان رضی اللہ عنہ میں منعقدہ ہفتہ وار محفل ذکر ہے۔ جہاں سینکڑوں سالکین طریقت اپنے قلب و روح کے انجلاء و یقین کا سامان پاتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہاں امت مسلمہ کا قلبی رشتہ قرآن حکیم سے مضبوط تر کرنے کیلئے عظیم الشان سالانہ انٹرنیشنل محفل حسن قرأت کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں دنیائے اسلام کے نامور قرآء اعظام اپنے لحن داؤدی سے عوام الناس کے قلوب و اذہان کو انوار قرآنی سے منور کرتے ہیں۔ نیز تعلیمات کتاب و سنت کو عام کرنے کی غرض سے شب و روز دروس قرآن و حدیث کی صورت میں بھٹکے ہوئے آھوکو سوائے حرم لیجانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

..... تصنیفی اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے آپ نے حضرت ابوالبلیان علیہ الرحمہ کی تصنیفات و تالیفات کو صوری اور معنوی خوبیوں سے مزین کر کے ادارہ کی تصنیفات کا اک معیار قائم کر دیا ہے۔ خصوصاً البینات شرح مکتوبات اور دیگر کتب مقدسہ کو آپ نہایت احسن انداز میں منظر عام پر لا رہے ہیں۔ غرضیکہ چشم بد دور! آپ کے انقلابی افکار و خدمات نے عوام و خواص کو درطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

با خدا دادگان ستیزہ مکن کہ خدا دادہ را خدا دادہ است

درحقیقت یہ محض فضل ربانی اور تائید ایزدی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی توجہات قدسیہ اور خواجہ ابوالبلیان رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات باطنیہ کا ثمرہ ہیں (ماشاء اللہ)

اگر بروید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

..... آپ کی زیر قیادت، اندرون و بیرون بالخصوص آسٹریلیا..... انگلینڈ..... کینیڈا..... ساؤتھ آفریقہ..... ملائیشیا..... اور دیگر ایشیائی و یورپین ممالک میں مدارس و مساجد کی تعمیر و تاسیس، تعلیم و تربیت اور تبلیغ اسلام کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔

خصوصاً آسٹریلیا میں 2 ایکڑ قطعہ اراضی پر مشتمل نہایت خوبصورت اسلامک ہال کا قیام عمل میں آچکا ہے جہاں پنج وقتہ نماز اور جمعۃ المبارک کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار محفل ذکر کا اہتمام بھی ہو رہا ہے۔ اس طرح دیار اسلام اور دیار کفر میں قال اللہ ﷻ اور قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں برابر جاری و ساری ہیں اور نئے منصوبہ جات کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو رہی ہے۔

الغرض! یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا فیضان و انعام ہے کہ اس نے اس آستانے کو ایسا رفیق عطا فرمایا ہے جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے آپ کو رفیق ابوالبلیان ثابت کر دیا ہے۔

حضرت رفیق ان کی نشانی ہیں ہو بہ ہو
ساقی نیا ہے اور پرانا ہی جام ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو عمر خضر نصیب فرمائے..... اس آستانے کو تاقیام قیامت شاد و آباد رکھے اور خلق خدا کو اس کی شادابیوں سے بہرہ مند فرمائے۔

الہی تا ابد آباد آستان یار رہے
آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

اللهم آمین بحق ظہ و یسین علیہ التحیة و التسلیم

سیرتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

کا اجمالی تعارف

نام و نسب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۴ شوال ۹۷۱ ھ جمعہ کی شب سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور نام احمد رکھا گیا جو بعد میں قیوم اول، امام ربانی، مجدد الف ثانی کے خطابات سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ کی پانچویں پشت میں حضرت امام رفیع الدین بانی سرہند شریف کا نام آتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد اور دادا حضرت شیخ زین العابدین ہیں۔

خطہ سرہند شریف کا پس منظر

سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں شاہی خزانہ پنجاب سے دہلی جا رہا تھا۔ قافلے کا گزر اس جنگل میں سے ہوا جہاں آج کل سرہند شریف واقع ہے۔ ایک صاحب کشف مرد کامل حضرت خواجہ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو قافلے میں شامل تھے) نے انکشاف کیا کہ ایک بہت بڑے ولی اللہ اس مقام پر پیدا ہوں گے۔ حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں (جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے) نے بھی اپنے کشف سے یہ معلوم کر کے سلطان کو حکم دیا کہ اس جنگل میں ایک شہر آباد کیا

جائے۔

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے

ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہراچھے کہ بن!

چنانچہ اس شہر کی تعمیر کا مقدس فریضہ شیخ مجدد کے مورث اعلیٰ حضرت امام رفیع

الدین کے سپرد کیا۔ حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حضرت امام رفیع الدین دونوں نے ایک

ایک اینٹ اٹھا کر شہر کی بنیاد رکھی۔ سبحان اللہ! شیخ مجدد کا علوم مرتبت ملاحظہ ہو کہ امام رفیع

الدین اور شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہما جیسے اولیاء کا ملین آپ کے کا شانہ

اقدس کی تعمیر میں مزدور بنے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

بعد میں حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر نے امام رفیع الدین کو بشارت دی

کہ وہ عظیم ولی کامل آپ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام رفیع

الدین نے شہر کا نام سیر ہند رکھا جو بعد میں سر ہند کے نام سے مشہور ہوا اور آپ نے

وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت امام رفیع الدین کا مزار مبارک سر ہند شریف سے باہر

قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر تین سو سال سے زیادہ عرصہ خوب آباد رہا، بعد

میں سکھوں نے ۱۷۷۰ء میں تاخت و تاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا

جہاں درندے رہتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر رند بمعنی جنگل)

بمعنی شیروں کا جنگل تھا۔

سر ہند شریف کی عظمت و شرافت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس کے قرب و جوار

میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰات کی قبور مقدسہ ہیں۔ سر ہند سے چند کوس کے فاصلہ پر

بر اس ایک شہر تھا جہاں پر شیخ مجدد کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰات کے مزارات کا انکشاف

ہوا۔ آپ نے فرمایا:

”بخارا اور سمرقند سے بیج لا کر سرزمین ہند (سرہند) میں جس کو بطحاء کی خاک سے سرمایہ حاصل ہے بویا گیا پھر ساہا سال آب فضل سے اس کی تربیت کی گئی۔“

(دفتر اول مکتوب: ۲۶۰)

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں
حضرت کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات (خمیر جسم اقدس) سے
تیار کیا گیا جس کا اظہار آپ نے مکتوبات دفتر سوم میں کیا ہے۔ (جیسا کہ بقیہ طینت آدم
الغنیہ سے خرما کی خلقت، حدیث سے ثابت ہے)

شواہد التجدید

مجدد الف ثانی رسالت مآب ﷺ کی نظر میں

ہمارا ایمان ہے کہ از آدم تا ایں دم و بعد از حشر و نشر تمام احوال و واقعات سرور
کائنات ﷺ کی نگاہ نبوت میں تھے جن کا تفصیلی ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔
حضور ﷺ نے امت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔
چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

- 1 میری امت کی عمر (خیریت) پانچ سو برس ہے۔
 - 2 میری امت کی عمر (خیریت) ہزار برس ہے۔ (الیواقیت و الجواہر جلد دوم)
- بعد میں یہ پیش گوئیاں نکھر کر سامنے آئیں۔

چنانچہ پانچویں صدی گذرنے پر فتنہ تاتاریاں ہو گئیں جس نے قبائے خلافت کو تار
تار کر دیا۔ مسلمانوں کا لہو پانی کے قطروں سے ارزاں ہو گیا، ان کے اقبال کا ستارہ

غروب ہو گیا، ان کی آبرو کا سفینہ ڈوب گیا، لاکھوں علماء و صلحاء کو قتل کیا گیا، ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں اور عباسی تاجدار مستعصم باللہ کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ شیخ سعدی پکاراٹھے۔

آسماں را حق بود گر خون بارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

حکومت تاتار کی استیلاء نے علماء و اولیاء کو ہند کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان التمش نے ان کا استقبال کیا اور ایک کروڑ روپیہ صرف کر کے ان کو آباد کیا۔ بالآخر قدرت ایزدی نے دستگیری فرمائی کہ خلافت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام کی نئی روح کا آغاز ہوا۔ اقبال مرحوم نے کہا۔

ہے عیاں یورش تاتار کے فسانے سے
پاساں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہی فتنہ تاتار تھا جو پانچ صدیاں گزرنے پر ظاہر ہوا تھا اور اسی فتنے کا انکشاف کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”میری امت کی عمر پانچ صدیاں ہے۔“ دوسری حدیث میں امت کی عمر ہزار برس بتائی گئی۔ چھٹی صدی سے گویا امت کی تعمیر نو ہوئی اور اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ علماء و فضلاء اٹھے اور دین کو از سر نو زندہ کیا حتیٰ کہ یہ پانچ صدیوں کا دوسرا دور ختم ہوا اور امت پھر سے انحطاط پذیر ہو گئی۔ غرضیکہ الف اول (پہلے ہزار برس) کا اختتام اور الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کا آغاز، ملت اسلامیہ کا دور انحطاط ہے۔ یہی انحطاط تھا جو بعثت نبوی کے ہزار برس بعد وجود پذیر ہوا۔ اسی کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی عمر خیریت ہزار برس ہے۔ الف اول کے بعد اسلام پر زوال آنا شروع ہوا اور الف ثانی میں دین کو از سر نو زندہ کرنے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مبعوث ہوئے۔

..... سنن ابی داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ

يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۹۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں کسی ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

..... مکتوبات دفتر مکتوب: ۴ میں ہے کہ

ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ہوتا ہے لیکن ایک الف (ہزار سال) کا مجدد

ہوتا ہے اور جو فرق سوا ہزار کا ہے وہی فرق ان کے مجددوں کا ہے بلکہ اس سے بھی

زیادہ۔

..... حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب میں لکھا ہے:

لَا يُحِبُّهُ إِلَّا الْمُؤْمِنُ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ

ترجمہ: ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھے گا جو منافق شقی

ہو۔

..... علامہ علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

يَكُونُ رَجُلٌ فِي أُمَّتِي يُقَالُ لَهُ صَلَةٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِ كَذَا

وَكَذَا (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۴۵۸۹)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا

جائے گا (طریقت و شریعت کو ملانے والا) اس کی شفاعت سے میری امت کے بیشتر

افراد جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء محدثین نے اس حدیث سے شیخ مجدد کی ذات مراد لی ہے۔ نیز خود حضرت

شیخ مجدد تحریر فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنِي صِلَةً بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ وَ مُصْلِحًا بَيْنَ
الْفِئَتَيْنِ (دفتر دوم مکتوب: ۶)

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا بنایا اور دو لشکروں میں صلح
کرانے والا بنایا۔

(دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت ہے اور دو لشکروں سے مراد علماء اور صوفیاء ہیں)
دوسری حدیث: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ اللَّهُ رَجُلًا عَلَى رَأْسِ
أَحَدِ عَشْرِمِائَةِ سَنَةٍ هُوَ نُورٌ عَظِيمٌ إِسْمُهُ إِسْمَعِيلُ بْنُ السُّلْطَانِيِّ
الْجَابِرِيِّ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِ رَجُلٌ الْوَفَاءُ (روضۃ القیومیہ رکن اول مطبوعہ لاہور)
یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ گیارہویں صدی کے شروع میں دو
جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجے گا جو میرا ہم نام (احمد) ہوگا وہ نور عظیم ہوگا
اور اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کا سلسلہ نسب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضور
ﷺ ہر وقت عواقب امت کی فکر میں محور رہتے تھے۔ غالباً حضور ﷺ نے سیدنا عمر
فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں ایسا نور مشاہدہ کیا تھا جو عظمت اسلام کا موجب ہو سکتا تھا۔
اسی لئے آپ نے دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ (المستدرک رقم الحدیث
۴۴۸۴) نیز..... لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (سنن الترمذی، رقم
الحدیث: ۳۶۸۲) میں بھی بالواسطہ شیخ مجدد کی دراشت نبوت اور تجدیدی اصلاحات کی
طرف اشارہ ہے۔ واللہ ورسوله اعلم

حضرت مجدد الف ثانی..... اولیاء سابقین کی نظر میں

1..... حضرت داؤد قیصری جو کہ نصوص کے شارح ہیں، قیصری کے مقدمہ کی

فصل ثانی میں لکھتے ہیں کہ

”ہر ایک اسم اور ستارے کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے۔ انبیاء اولوالعزم (علیہم السلام) کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہی ہیں۔ پس اس امت میں بھی ایک شخص مبعوث ہوگا جو وارث انبیاء ہوگا اور مجدد الف ثانی کہلائے گا اور اس کی تجدید کا دور ہزار سالہ ہوگا۔“

2..... شیخ الجن والانس حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ مراقب تھے کہ ایک نور عظیم ظاہر ہوا اور اس کی روشنی محیط کائنات ہوگئی۔ اس روشنی سے گذشتہ و آئندہ اولیاء نے استفادہ کیا۔ آپ متحیر و متعجب ہوئے تو الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو آپ سے پانچ سو سال بعد پیدا ہوگا اور دین کی تجدید کرے گا۔ اس کے فرزند اور خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے۔ آپ نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر اپنی مخصوص نسبت و دیعت کر کے بطور امانت اپنے خلیفہ کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ نسل بعد نسل بہ کمال حفاظت یہ خرقہ شخص معبود تک پہنچا کر میرا سلام کہنا۔ چنانچہ حسب وصیت حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہما نے تجدید کے دوسرے سال وہ خرقہ آپ کو عنایت فرمایا جس کے بعد آپ نسبت قادر یہ کے بھی جامع کہلانے لگے۔

3..... شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں ہے کہ شیخ نے فرمایا: میرے بعد چار سو سال کے عرصہ میں سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے ان میں آخری شخص ہجرت نبوی کے ہزار سال بعد پیدا ہوگا جو اولیاء سے افضل ہوگا۔

4..... مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہند میں سلسلہ نقشبند یہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو افضل ترین اولیائے امت سے ہوگا۔ افسوس کہ مجھے اس عزیز الوجود ہستی کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط بطور عرضداشت تحریر کیا

جس میں دعا کی استدعا کی گئی تھی۔ وہ خط اپنے خلیفہ عبدالرحمن بدخشی کے سپرد کیا، جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے قبول فرما کر دعا کی۔

5..... حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک نور سرزمین سرہند سے ظاہر ہو کر محیط عالم ہو گیا ہے۔ الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو اسی سرزمین میں پیدا ہوگا اور تجدید دین کرے گا۔

علاوہ ازیں منجموں، اختر شناسوں نے بھی آپ کی ولادت کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

علوم شریعت میں آپ کا مقام

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم آپ نے مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا محمد یعقوب کشمیری، مولانا قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ علیہم سے حاصل کی۔ ٹھیک سترہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید ایام اسیری میں حفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الٰہی نسخین فی العلم میں سے بنایا تھا۔ اس سلسلے میں سواطع الالہام کے چند اوراق بھی آپ کی قلم کے مرہون منت ہیں۔ جب فیضی الفاظ کے ہیر پھیر میں سرگرداں ہوا تو حضرت مجدد نے قلم برداشتہ کئی اوراق لکھ ڈالے۔ نیز ابوالفضل نے تفسیر بے نقط کا ایک ورق تحریر کیا اور تفسیر سے تمام علماء مجبور ہو گئے۔ حضرت سے استفادہ چاہا تو آپ نے قلم برداشتہ تذکیر، تبشیر، قصص، حکم، اسباب نزول کے ساتھ تفسیر بے نقط بشمول معنی تحت اللفظ کا وافر حصہ تحریر فرمادیا۔ آپ کے اس تبحر علمی پر ابوالفضل اور دیگر تمام علماء متحیر ہو گئے۔ آپ کے علم و فضل کی سب سے بڑی شہادت آپ کے مکتوبات شریفہ ہیں جن میں آپ نے وہ علوم و معارف بیان فرمائے جو آج تک کسی نے بیان نہ فرمائے۔

علماء سادات ترکیہ میں سے ایک مقتدر عالم مولانا عبدالحکیم بن مصطفیٰ نقشبندی مجددی خالدي نے فرمایا:

”افضل الكتب الاسلامیۃ بعد کتاب اللہ تعالیٰ و بعد احادیث النبویۃ مکتوبات للامام الربانی لا مثل له فی الاقطار الجہانی“

یعنی قرآن پاک اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰات) کے بعد تمام اسلامی کتابوں سے افضل مکتوباتِ امام ربانی ہیں جس کی عالم گیتی میں کوئی مثال نہیں ہے۔

آپ نے متعدد تصنیفات عربی اور فارسی میں تحریر فرمائیں جو درج ذیل ہیں:-

مبدأ و معاد معارف لدنیہ آداب المریدین

رسالہ تہلیلہ رسالہ اثبات نبوت رسالہ رد روافض

تعلیقات عوارف مکاشفات غیبیہ رسالہ خواجگان نقشبند

رسالہ علم حدیث شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ (رضی اللہ عنہ)

مکتوبات سہ جلد (وغیرہا)

ان تمام رسائل و کتب میں علوم و معارف کے کئی ناپید کنار سمندر موجزن ہیں۔

آپ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج ہے اور اسی امر کی تکمیل

کیلئے آپ نے علماء اور امراء کو بیدار کرنا چاہا ہے۔

آپ نے فرمایا شریعت کے تین جزو ہیں۔

علم عمل اخلاص

آپ علم و عمل کے اس کمال کے باوجود مقلد تھے اور حنفی المذہب تھے۔ آپ

نے فرمایا:

”مجہد کا اجتہاد..... مقلد کے لئے حجت ہے۔ کسی شے کی حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے بلکہ حلت و حرمت کے امور میں ہمارے لئے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا۔“
نیز آپ نے فرمایا:

فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں، تمام فقہاء ان کے عیال ہیں۔ مذہب حنفی کی نورانیت، نظر کشنی میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے جبکہ دوسرے مذاہب، حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب: ۵۵)

علوم طریقت میں آپ کا مقام

علوم شریعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تصوف کی عملی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کا انتساب بھی انہی سے حاصل کیا۔ آپ کے والد، حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو انتساب حضرت شاہ کمال کبھلی کے نبیرہ اعلیٰ حضرت شاہ سکندر کبھلی رحمۃ اللہ علیہما سے حاصل ہوا اور حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردیہ میں بھی خلافت پائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت شیخ مجدد، حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب دہلی پہنچے تو اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک سے حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور تکمیل سلوک کے بعد خرقہ خلافت نقشبندیہ حاصل کیا۔ ایام قیام دہلی کے دوران تقریباً ڈھائی ماہ کے عرصے میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل کر لی۔ نسبت نقشبندیہ

”دوام حضور و آگاہی“ کا نام ہے جس میں غیبت بالکل نہ ہو۔ یہ نسبت حدیث نبوی ﷺ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ سے تعبیر ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا تھا کہ وہ افغانستان سے ہندوستان تشریف لے جائیں۔ یہاں ان کی وساطت سے ایک عزیز الوجود عظیم ہستی سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوگی جس سے سارا عالم منور ہوگا اور ان کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ چنانچہ شیخ مجدد نے وہ مقام بلند حاصل کیا کہ خود حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے کہ

”میاں شیخ احمد آفتابی است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است و از کمل اولیاء متقدمین خال خالے مثل ایشاں گذشتہ باشند“

میاں شیخ احمد (سرہندی) ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن (انوار) میں گم ہیں اور کالمین اولیاء متقدمین میں ان جیسا خال خال ہوا ہوگا یعنی بہت کم۔

مرشد برحق کی ہدایت کے مطابق آپ بسلسلہ رشد و ہدایت لاہور میں بھی تشریف لائے اور ہزاروں نفوس سلسلے میں داخل ہوئے۔ آپ نے لاہور کی قطبیت حضرت شیخ ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ودیعت فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ

آں حضرت سرور عالم رحمۃ اللہ علیہ سے میری ارادت بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس واسطوں سے، طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمان کا بندہ ہوں، میرا

طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تیزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں۔ (مکتوبات دفتر سوم مکتوب: ۸۷)

غرضیکہ آپ صوفیاء کے پندرہ سلاسل کے علی الاطلاق مرشد مجاز اور پیر ماذون تھے لیکن آپ پر سلسلہ نقشبندیہ کا غلبہ رہا اور اسی سلسلہ کو آپ نے فروغ بخشا۔ دیگر سلاسل میں تزکیہ نفس پہلے ہوتا ہے اور تصفیہ قلب بعد میں، لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں تصفیہ قلب کو مقدم رکھا گیا ہے اور یہی اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا مفہوم ہے۔ اس سلسلہ میں اشکمال شریعت کا نام ہی طریقت و حقیقت ہے، اسی لئے ذکر خفی، جلی پر..... حال، قال پر..... صحو، سکر پر اور فکر، ذکر پر مقدم سمجھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سلسلہ حال و وجد کی دل آویزی اور نعرہ ہائے حق ہو کی ظاہری دلکشی و طرب انگیزی سے یکسر خالی ہے تاہم خلوت و راجحین اور نظر بر قدم کے اصولوں میں احوال و مواجید کے تمام اسرار و رموز مضمّن کر دیئے گئے ہیں۔

نقشبنداں عجب قافلہ سالار اناںد

کہ بحر می روند پنہاں قافلہ را

بلکہ آپ نے راہ سلوک میں بعض ایسے مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی جو اس

سے پیشتر، بیشتر صوفیائے عظام کے ذاتی تجربات و مشاہدات سے بالاتر تھے۔

آپ کو ۱۰ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ بروز جمعہ ”خلعت مجدد الف ثانی“ عطا ہوئی۔

والحمد لله على ذلك .

طبقہ علماء میں سب سے پہلے حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مجدد

الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ بنام ”دلائل التجدید“ تصنیف

فرمایا۔ اور ۲ رمضان ۱۰۱۰ھ بروز پیر منصب قیومیت عطا ہوا۔ خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی بشارت و مبارک دی۔

تعمین و جووی جس کے متعلق کسی عارف کامل نے لب کشائی نہ کی تھی وہ آپ پر

ظاہر ہوا۔ آنجناب پر ہر سہ درجات ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا منکشف فرمائے گئے۔ حقیقت محمدیہ، حقیقت احمدیہ، حقیقت کعبہ، حقیقت بیت المقدس، حقیقت قرآن کے علاوہ سیر آفاقی و سیر انفسی کا بھی کشف ہوا۔ آپ کو نسبت فردیت، اپنے پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ علوم لدنیہ روحانیہ حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کئے اور علوم آسمانی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے۔ مقام فنا فی اللہ بقا باللہ، مقام محبوبیت ذاتیہ حب صرفہ و لا تعین، مقام شہادت و مرادیت، مقام قیومیت، مقام مجددیت و قطبیت، مقام قربت و معیت اور مقام بخت احدیت و فردیت سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا۔ نیز رموز متشابہات فرقانی و اسرار مقطعات قرآنی سے بھی آپ کو وافر حصہ عطا ہوا۔

آپ مجموعہ قطب مدار، قطب ارشاد ہیں اور قیامت تک قطب مدار و ارشاد آپ ہی کے سلسلہ میں ہوا کریں گے۔ حضرت امام مہدی (آخر الزمان) رضی اللہ عنہ آپ کے ہی خلفاء سلسلہ سے ہوں گے۔

آپ کو مرتبہ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، جمع الجمع اور ادراک بسیط عطا کیا گیا۔ (ان مقامات کی تفصیل و تشریح البینات شرح مکتوبات میں ملاحظہ فرمائیں)

آپ کی زیارت کیلئے کعبہ شریف آیا اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنوئیں سے آب زمزم برآمد ہوا۔ آپ کے سلسلے کے کل مریدین و متوسلین جو قیامت تک ہوں گے آپ کو دکھلائے گئے۔ ہر ایک کا نام و نسب اور مولد و مسکن بھی بتایا گیا بلکہ آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں اپنے سلسلے کے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر جنت میں جاؤں گا۔

آپ ایک مرتبہ مراقب تھے کہ یکا یک بارگاہ خداوندی سے خطاب ہوا۔

غَفَرْتُ لَكَ وَ لِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ إِلَى بَوَائِطِ أَوْ بَغْيَرِ وَ اسِطَةِ إِلَى

يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مبدأ معاد منہا: ۵)

ترجمہ: اے امام ربانی! میں نے تجھ کو اور قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ تیرے سلسلے سے منسلک ہونے والوں کو بخش دیا۔

بملک اولیاء چوں او نزادہ

محمد ثمرۃ چوں او ندادہ

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں پر

طائرانہ نظر اور الحاد اکبری کا استیصال

ہمایوں کے انتقال کے بعد جلال الدین اکبر تخت شاہی پر براجمان ہوتا ہے تو اکبر نے سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کیلئے یہ سوچا کہ محبت اتحاد اور صلح کلیت سے ہندوستان میں میری حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے مختلف الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندو اسے سمجھیں، مسلمان اسے مسلمان خیال کریں اور پارسائی، چین اور عیسائی وغیرہ بھی اس کو اپنا ہم عقیدہ متصور کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مذاہب کے اختلافات کو درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ہندوستان کی سرکش قوموں کو تلوار سے ختم کرنے کی بجائے باہم میل جول، رشتہ و ناطہ سے ختم کیا جائے اور نہ صرف ان کے جسموں پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی جائے۔ اکبر چونکہ جاہل تھا اس کی رہنمائی اور مذہبی معاملات میں مداخلت وراثتاً ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو علماء حق نہ تھے بلکہ علماء سوء تھے۔ ابتداء میں ایرانی عقائد کو ابلسنت کے عقائد سے مطابق کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور توہین صحابہ کا اقدام ہوا۔ شطاریہ، مداریہ، روشنیہ فرقوں کی آزاد خیالی اور نظریہ وحدت الوجود کو ناہمی کی بناء پر غلط رنگ دے

کراکبر کے اعتقادات میں لغزش پیدا کی گئی۔ اسی اثنا میں اکبر کے حرم میں ہندو راجاؤں کی لڑکیاں بھی داخل ہو چکی تھیں۔ اس لئے وہ اب قولاً و فعلاً مذہبی جبہ کو اپنے کندھے سے اتارنے کی تراکیب سوچ رہا تھا تا آنکہ ابوالفضل اور فیضی نے اس کے دربار تک رسائی حاصل کر لی۔ اتفاق کی بات ہے انہی دنوں قاضی عبدالرحیم نے متھرا میں مسجد بنانے کے لئے سامان جمع کیا لیکن کسی برہمن نے وہ تعمیری مسالہ مندر بنانے میں استعمال کر لیا جس پر باہم چیقلش ہوئی۔ نوبت بائیچار سید کہ اس برہمن نے بانی اسلام ﷺ کو بھی (معاذ اللہ) گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ مقدمہ اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔ اکبر اس کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن شیخ عبدالنبی کے حکم سے وہ برہمن قتل ہوا جس کا اکبر کے دل پر ناگوار اثر ہوا۔ چنانچہ ایک محضر نامہ تیار ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اختلافی مسائل میں صرف بادشاہ وقت کا فیصلہ ہی قابل قبول ہوگا خواہ کتاب و سنت کے مطابق ہو یا مخالف۔ اب اکبر کے سامنے علماء کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد منش فضلاء معاون بن چکے تھے۔ چنانچہ اکبر نے دین الہی کا اعلان کر دیا اور وہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دعویٰ خدائی کیا اور اپنی مہر پر یہ عبارت لکھوائی۔ ”جل جلالہ است اکبر ما اکبر شانہ تعالیٰ“۔

دراصل اکبر کے دماغ میں صرف یہی جذبہ کار فرما تھا کہ کسی طرح ہندوستان کا تخت و تاج اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے ہمیشہ قائم رہے۔

کاش! اگر بادشاہ وقت یہی اعلان کر دیتا کہ حکومت کا مذہب لا دینی ہے تو شاید اسلام کو اتنا دھچکانہ لگتا۔

جب شہنشاہ اور اس کے درباریوں کا مشغلہ، تضحیک اسلام بن گیا، اکبر بر ملا کہتا تھا کہ رام اور رحیم میں کوئی فرق نہیں، ہندو مسلم، سکھ اور عیسائی سب ایک ہیں، تصوف نے اپنا مقام کھو کر ویدانت سے ساز باز کی، مذہب و طریقت کی اصل روح مفقود ہوئی،

رہنما اصول صلح کل تھا، شیعہ سنی ایک مسجد میں، فرنگی یہودی ایک کلیسا میں آداب عبادت بجالاتے، ہندو کے برت کا اہتمام ہوتا، رمضان کے مہینے میں کھلے بندوں کھانا کھلایا جاتا، نماز باجماعت ممنوع کر دی گئی، مساجد شہید کر کے ان کی جگہ مندر تعمیر ہونے لگے، بموجب عقائد ہنود خنزیر کی تعظیم کی جاتی، ذبیحہ گاؤ پر پابندی عائد کی گئی، جزیہ ختم کیا گیا، تعظیمی سجدہ رواج پذیر ہوا، سورج کی دن میں چار مرتبہ پوجا کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی، قشقہ لگایا جاتا، سود، شراب اور جواہر حلال سمجھا گیا، داڑھیاں منڈوائی گئیں، غسل جنابت فضول سمجھا گیا اور قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط سمجھا گیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو علماء حق نے آوازیں بلند کیں لیکن وہ صدا بے صحرا ثابت ہوئیں۔

اندریں حالات ہندوستان کی مرکزیت کی وجہ سے اکبری الحاد کے جراثیم دنیائے اسلام میں منتشر ہو رہے تھے، علماء و فقراء اپنے مراکز کھو چکے تھے، چاروں طرف تاریکی بھیانک مناظر پیش کر رہی تھی اور کوئی بھی ایسا مرد میدان نظر نہیں آتا تھا جو ان جراثیم کا کلیتاً خاتمہ کر سکے۔ آخر شپو پھنسنے کا وقت قریب آیا۔ صبح صادق کے نشانات ہویدا ہونے لگے، اسلام کے بطل جلیل امام ربانی کی رگ تجدید پھڑکی، غیرت فاروقی جوش میں آئی اور آپ نے اعلانیہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعے اسلامی اقدار کے تحفظ کا کام شروع کر دیا۔

آپ نے اکبر کے مقربین کو بلوا کر کہا کہ

”بادشاہ، خدا اور رسول کا باغی ہو چکا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اس کو کہہ دو کہ عنقریب اس کی شہنشاہی مٹنے والی ہے۔ وہ فوراً توبہ کرے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔“

اکبر نے اس مرد حق آگاہ کا یہ پیغام سن کر کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی سطوت و کبر

وخت کے نشے میں مست رہا۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ شیخ مجدد شعلہ جو الا بن کر چمکے اور برق خاطف بن کر گرے اور سطوت اکبری کو خاکستر بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ الحاد اکبری کے اصل قاطع شیخ مجدد ہی تھے۔

اکبر کے انتقال کے بعد اسی گھناؤنے وتیرہ وتار اور متعفن ماحول میں ایک عیاش اور مخمور بادشاہ نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ نور جہاں سے نکاح کیا جو جہانگیر کے قلب و دماغ پر پوری طرح مسلط ہو گئی۔ کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر اثنا عشری (شیعہ) عقائد سرایت کرنے لگے اور عہد اکبری کے بیشتر قوانین و قواعد جاری رکھے گئے۔

حضرت شیخ مجدد نے اپنے مکتوبات اور تصنیفات میں عقائد باطلہ کی تردید شروع کر دی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنے مبلغین کو اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجنا شروع کر دیا اور ایک منظم جدوجہد شروع کر دی۔ علماء سوء نے ہوس اقتدار میں آپ کی مخالفت شروع کر دی اور آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور ہر طرح کے الزام دھرے۔ بالآخر شیخ مجدد کو دربار جہانگیری میں بلایا گیا اور سجدہ تعظیمی کا حکم دیا گیا۔ آپ نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا:

”اے جہانگیر! جو پیشانی اپنے معبود برحق کے سامنے جھک چکی ہے وہ تیرے سامنے ہرگز نہ جھکے گی۔“

جہانگیر کا چہرہ غصے سے تھما اٹھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور پھر سجدے پر اصرار کیا۔ مفتی وقت نے جب دیکھا کہ جہانگیر آپ کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر چروانے والا ہے تو بے اختیار بول پڑا۔

”اے شیخ احمد! میں از روئے شرع فتویٰ دیتا ہوں کہ گردن جھکا دی جائے اور جان بچالی جائے۔“

آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا ”واقعی فتویٰ تو یہی ہے لیکن تقویٰ اس بات

کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ گردن غیر خدا کے سامنے جھکنے پائے۔ “آپ کے ان برجستہ الفاظ سے دربار جہانگیری میں سناٹا طاری ہو گیا۔ نہ معلوم قدرت نے کیا کرشمہ دکھایا کہ جہانگیر نے قتل کی بجائے گوالیار کے قلعہ میں قید کر کے آپ کے مکان اور کتابوں کو لوٹ لینے کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت مجدد، یہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو بتا چکے تھے کہ ہم پر مصائب نازل ہونے والے ہیں۔ ان کو ہم خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ آپ کے اسی استقلال و عزیمت کے پیش نظر علامہ اقبال مرحوم نے آپ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار

آپ کے قلعہ گوالیار میں پہنچتے ہی قید خانے کی نوعیت بدل گئی۔ ذکر و فکر کی محفلیں ہونے لگیں۔ غیر مسلم، دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ غرضیکہ حضرت مجدد کے قدم سے وہ قید خانہ نقشبندیہ مجددیہ آستانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ بادشاہ بزم خود مطمئن تھا کہ باغی کو سزا دے دی گئی لیکن وہ اس امر سے غافل تھا کہ قدرت نے یہ سارا انتظام صرف اسی کو راہ راست پر لانے کیلئے کیا ہے۔ چند برس آپ وہاں رہے تو متوسلین (جو لاکھوں کی تعداد میں تھے) نے بغاوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔ آپ نے ایک

مکتوب میں تمام کو متنبہ کیا کہ میں حکومت کا خواہشمند نہیں، قید کی مصیبت میرے لئے راحت ہے اور جس مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں انشاء اللہ وہ عنقریب پورا ہو جائے گا۔

قدرت نے جہانگیر کے قلب و ذہن میں انقلاب پیدا کیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ بطور تأسف اپنی انگلی مبارک دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے انسان کو قید کر دیا۔ اس خواب کے بعد اس نے آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ آپ نے رہائی سے پہلے حسب ذیل سات شرائط پیش کیں۔

۱..... سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے

۲..... مساجد آباد ہوں

۳..... ذبیحہ گاو کی اجازت دی جائے

۴..... خادمان شرع مثلاً قاضی، مفتی اور محتسب وغیرہ مقرر کئے جائیں

۵..... جزیہ لیا جائے

۶..... احکام شرع کی ترویج ہو

۷..... قیدی رہا کئے جائیں۔

جہانگیر نے ”گفتن از شماست و کردن از ما“ کہتے ہوئے تمام شرائط قبول کر لیں۔ رہائی کے بعد جہانگیر نے سفر و حضر میں ساتھ رہنے کی پیش کش کی جو آپ نے منظور فرمائی تاکہ ناصر الدین حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول بھی پورا ہو جائے کہ بادشاہ اور اراکین سلطنت سے وابستگی اس نیت کے ساتھ اختیار کرنی چاہئے کہ ظلم و عصیاں دور ہو اور شریعت کا دور دورہ ہو۔ آپ کا سفر و حضر میں جہانگیر کے ساتھ رہنے کا مقصد بادشاہ کو پیش کردہ شرائط پر پابند کروانا تھا۔ آپ کی صحبت اور مجالست کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ کو گذشتہ اعمال کا جائزہ لینے اور ان سے تائب ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ

آپ کا نیاز مند بنا اور خدمت اسلام کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا اور وہ بدعات و کفریات جو اکبر کے زمانے میں رائج ہو کر جہانگیری دور میں جڑ پکڑ چکے تھے آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب دور ہو گئے اور اسلام پر پھر سے بہار آ گئی۔

آخر عمر میں جہانگیر نے کہا تھا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو..... البتہ میرے پاس ایک مقدس دستاویز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے جہانگیر! ”ہم جنت میں تیرے بغیر نہ جائیں گے“۔

یہ حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کی پشت سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب جیسا مرد درویش پیدا ہوا۔ اورنگ زیب نے شریعت و طریقت کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اورنگ زیب کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تفسیرات احمدیہ) تھے اور پیر و مرشد عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مزید باطنی تعلیم حضرت شیخ سیف الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کی توجہ اور صحبت کا اثر تھا کہ اورنگ زیب نے اعلیٰ سیاسی طبقوں کا ذہن بدل کے رکھ دیا۔ یہ امام ربانی کے وہ حیرت انگیز تجدیدی کارنامے ہیں جو لاکھوں افراد کی منظم تحریکیں بھی سرانجام نہ دے سکتیں۔

اولاً: آپ نے حکومت کو صحیح اسلامی نظام کی طرف متوجہ کیا اور اکبر کے فتنہ متحدہ قومیت نے تعینات اسلامی کے مٹانے میں جو بے انتہا مضر اثرات پیدا کئے تھے ان کا سدباب کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرہ کی سخت مخالفت کی اور فرمایا چونکہ ہماری ملت اور تہذیب جداگانہ ہے اس لئے

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آج بھی ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوضات و تصرفات کا رفرما ہیں۔ مسلم قومیت کا نظریہ جو آپ نے پیش کیا تھا وہ بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ گویا یہ ملک پاکستان آپ کی نگاہ فیض و تجدید کا ثمرہ ہے۔

شہر ملک ولایت شیخ احمد
بمثلش مادر ایام کم زاد

ثانیاً: آپ کی تعلیمات اور روحانی تصرفات نے صوفیاء اور فقراء کو طریقت کی بعض عجیبی مصطلحات سے بچایا اور صرف اتباع سنت اور قرآن و حدیث کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور ہر حال میں کشف والہام کو وحی کے تابع قرار دیا اور شریعت و طریقت وجود و شہود کے حقیقی خدو خال کو بے نقاب کیا۔

آپ کی کرامات سات سو سے زائد منقول ہیں ان کی تفصیل یا اجمال چنداں ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت کا وجود ہی سراپا کشف و کرامات تھا۔

آپ نے ۶۳ برس کی عمر پا کر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بروز سہ شنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا مزار اقدس سرہند شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ ہر سال ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفر کو عرس منعقد ہوتا ہے اور خلق خدا فیوض و برکات حاصل کرتی ہے۔

اے خاک پاک روضہ عبیری و عنبری

کاہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند

(شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی)

مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ
تعارف و تحقیق کے آئینہ میں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گیارہویں صدی ہجری کے ہی مجدد نہیں بلکہ ہزار سال کے مجدد ہیں جیسا کہ الف ثانی کے معنی و مفہوم سے صاف ظاہر ہے (یعنی دوسرے ہزار سال کے مجدد)۔ آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر تمام اسلامی مکاتیب فکر کا اتفاق ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا منکر صرف وہی ہو سکتا ہے جو مبغض، منافق اور فاجر و شقی ہو جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

لَا يُحِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا فَاجِرٌ شَقِيٌّ

(ماخوذ از رسالہ ترجمہ احوال الامام الربانی بر حاشیہ مکتوبات عربی)

اگرچہ اس مختصر مضمون میں تمام امور پر بحث اور ان کی تفصیلات ممکن نہیں تاہم چند ضروری امور کی وضاحت نذر قارئین ہے۔

مجدد کی تعریف

لفظ مجدد باب تفعیل سے فاعل کا صیغہ ہے جو حدیث شریف سے ایک شرعی اصطلاح کے طور پر ثابت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ

الْأُمَّةَ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۹۳) یعنی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کی اصلاح کی خاطر ہر صدی کے سرے پر مجدد مبعوث فرماتا رہے گا جو دین اسلام کی تجدید و احیاء کرتے رہیں گے۔

محدث جلیل علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث تجدید کی شرح میں ارقام پذیر ہیں:

أَيُّ يُبَيِّنُ السُّنَّةَ مِنَ الْبِدْعَةِ وَيُكَثِّرُ الْعِلْمَ وَيُعِزُّ أَهْلَهُ وَيَقْمَعُ الْبِدْعَةَ وَيُكَثِّرُ أَهْلَهَا (مرقاۃ المفاتیح جلد اول: ۳۰۲)

”مجدد وہ ہے جو سنت و بدعت میں امتیاز کر کے دکھائے، علوم کے دریا بہائے، علم و علماء کی عزت میں اضافہ کرائے اور بدعات کا قلع قمع کرتے ہوئے اہل بدعت کو ذلیل و رسوا کرے۔“

اس تعریف کی بناء پر مجدد الف ثانی کی تجدید کا اندازہ کرنا ہے تو پھر عہد اکبری و جہانگیری کے اوائل زمانہ کے حالات کو سامنے رکھیں تو بانگ دہل آپ پکاراٹھیں گے کہ امام ربانی مجدد ہی نہیں بلکہ مجدد الف ثانی ہیں۔ مزید اطمینان قلبی و ضیاء ایمانی کے لئے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف پڑھتے جائیں جو انہوں نے مرج البحرين میں کی ہے۔

”ایسا مرد کامل جو اعجاز حقیقت سے واقف ہو، نصرت و کامیابی اس کے قدم چومے، عوام الناس کو اپنی قوت کار اور تصرف سے اس طرح راہ راست پر لائے کہ کسی کو سرتابی کی جرات نہ ہو۔ خاص کر ان لوگوں کی سرزنش ضروری سمجھے جنہوں نے حقیقت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو لہو و لعب سمجھ کر مذاق بنا رکھا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔“

آپ جوں جوں شیخ محقق کی تعریف مجدد پڑھتے جائیں گے تو ساتھ ہی ساتھ مجدد الف ثانی کا تصور آتا جائے گا۔ شیخ محقق کی تعریف کا ایک ایک حرف حضرت مجدد

تجدید کے کارناموں کی اجمالی تصویر ہے۔ صرف مجدد پاک کا نام لینا باقی رہ گیا ہے ورنہ ہر لفظ کے مصداق حضرت مجدد پاک ہی نظر آتے ہیں۔

مجدد مآۃ کی حدود

حدیث تجدید کے مطابق ہر زمانہ اور ہر صدی میں مجدد ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے، مگر جو حضرات تجدیدی کارنامے سرانجام دے چکے ہیں جب ان کے حدود کار کو دیکھا جائے تو ہر مجدد نے کسی خاص شعبہ اور خاص علاقہ میں تجدیدی و اصلاحی کارنامے سرانجام دیئے بلکہ ایک نظریہ کے تحت بیک وقت ایک ہی صدی میں ایک سے زائد مجدد بھی ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے خاص خاص شعبہ اور خاص خاص علاقہ میں تجدیدی خدمت سرانجام دی اور ان کے ماننے والوں میں بھی امتیاز رہا۔ کچھ حضرات نے ایک کو مجدد مانا تو دوسروں نے کسی دوسری شخصیت کو مجدد تسلیم کیا سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے کسی پر اتنا اتفاق نظر نہیں آتا۔

آپ کی تجدید کا دائرہ وسعت

ہر مجدد کی تجدید کے حدود و اطراف و شعبہ ہائے تبلیغ اور تجدید و اصلاح کو پڑھا دیکھا مگر وہ ہمہ گیری و عبقریت نظر نہیں آتی جو حضرت مجدد پاک کی تجدید و تبلیغ و اصلاح میں ہے اور وہ ہر شعبہ اور ہر علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ مسجد ہو یا خانقاہ، مذہب ہو یا سیاست، معیشت ہو یا معاشرت، شریعت ہو یا طریقت، سیرت ہو یا صورت، رہبانیت ہو یا حکومت، اخلاق ہوں یا اعمال غرضیکہ جس شعبہ پر آپ نظر ڈالیں گے تو وہاں حضرت مجدد پاک کی ہی تجدید و اصلاح آپ کو نظر آئے گی اور اگر اس تجدیدی و اصلاحی کوشش کے دائرہ وسعت کو دیکھنا ہے تو پھر ہندوستان، پاکستان، چین،

روس، ترکی، انڈونیشیا، ملائیشیا حتی کہ عراق و حجاز مقدس میں ان کی وسعت کا اندازہ کر لیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

آدمی مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ کو ہزار سال کا مجدد مانے۔ اسی ہمہ گیری کے پیش نظر بعض حضرات نے یہاں تک لکھ دیا کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے مجدد ہونے پر اجماع امت ہے۔ (سیرت مجدد الف ثانی ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ۱۱)

ہزار سال کا مجدد

رہا ہزار سال کا مجدد یعنی مجدد الف ثانی ہونا تو اس کے متعلق تو خود مجدد پاک کا اپنا فیصلہ موجود ہے جو مکتوبات شریفہ میں مرقوم ہے۔ آپ نے فرمایا:

مجدد مائتہ دیگر است و مجدد الف دیگر چنانچہ در میان مائتہ و الف فرق است در میان مجددین ایٹمانیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ (دفتر دوم مکتوب: ۳)

کہ سو سال کے مجدد اور ہزار سال کے مجدد میں وہی فرق ہے جو سو سال اور ہزار سال میں ہے بلکہ زیادہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو ہزار سال کا مجدد کہا ہے اور ضرورت بھی ہزار سال کے مجدد کی تھی۔ کیونکہ اکبر نے یہ کہا تھا کہ مدت دین پینممبر ہزار سال بود، یعنی دین اسلام کی مدت ہزار سال تھی جو پوری ہو چکی ہے۔ اب آئندہ ہزار سال کے لئے وہ دین اکبری پیش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کے پروگرام کو ختم کر کے تجدید دین کے لئے مجدد بھی وہ چاہئے تھا جو ہزار سال کا ہو۔

نبیہتی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر مظہری اس سلسلہ

میں رقمطراز ہیں:

پچوں ہزار سال گشت و نوبت اولوالعزم رسید حق تعالیٰ موافق عادت قدیم برائے ہزارہ دوم مجدد سے پیدا کر دے در سائر اولیاء مجددان مثل اولوالعزم باشد در انبیاء و رسولان (ارشاد الطالبین) یعنی جب پہلا ہزارہ گذر گیا اور ایک اولوالعزم مرد کامل کی باری آئی تو حق تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق ہزارہ دوم کے لئے ایک مجدد پیدا فرمایا جو تمام مجدد اولیاء میں وہی مقام رکھتا ہے جو انبیاء و رسل میں اولوالعزم رسول کا ہوتا ہے۔ بقول حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ

نگیں گشتہ در حلقہ اولیاء چو در انبیاء خاتم الانبیاء

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

ایشان مجدد الف ثانی اند و حقائق و دقائق و کثرت معارف الہیہ و فیوض و برکات ایشان و افاضات کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ و مقامات عالیہ کہ در طریقہ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ اند و آن مقامات قرب الہی است
سجانبہ (مکاتیب شریفہ مکتوب اول)

یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ مجدد الف ثانی ہیں اور آپ کے حقائق و دقائق، معارف الہیہ کی کثرت، ان کے فیوض و برکات اور افاضات کثیرہ کہ جنہوں نے دلوں کی اصلاح فرمائی اور مقامات عالیہ جو آپ نے اپنے طریقہ میں الہامات حقہ کے ذریعے مقرر فرمائے وہ قرب الہی سجانبہ کے مقامات ہیں۔

آپ کے ہم عصر مجدد مآۃ

سوسال کے مجدد تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی تھے مگر وہ خاص علاقوں اور شعبوں میں اصلاح کر رہے تھے۔ جیسا کہ اب بعض علماء نے شیخ محقق

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور میر عبدالواحد بلگرامی وغیرہما کا نام لینا شروع کیا ہے۔ لیکن اکبر کے پروگرام کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک و تجدید کی ضرورت تھی جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی۔ جس کی بناء پر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے بحر بے کراں نے برملا آپ کو مجدد الف ثانی (ہزار سال کا مجدد) کہا اور کسی نے بھی انکار نہ کیا اور آج تک آپ کو امت کی واضح اکثریت مجدد الف ثانی مانتی آرہی ہے۔

اضافت لامی

بعض حضرات مجدد الف ثانی میں اضافت بمعنی فی لے کر مجدد فی الالف الثانی کہتے ہیں جس کا مال سو سال کا مجدد ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں عدد کی طرف اضافت بمعنی فی ہے۔ یہ ان کی جہالت کا ثبوت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، شرح جامی میں صاف صاف تحریر ہے کہ اصل اضافت لامی ہے اور جہاں اضافت بمعنی فی ہو اس کا مال بھی اضافت لامی ہوتا ہے۔ نیز اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مجدد مائتہ میں اضافت فی ہو اور سو سال کا مجدد ثابت ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ چند سالوں کا مجدد ثابت ہوگا جو غلط ہے۔ اضافت لامی ہونے پر تصریحات موجود ہیں جیسا کہ تفسیر مظہری جلد ششم: ۲۷۵ میں قال المجدد للالف الثانی کے الفاظ کی صراحت مذکور ہے۔ ان کے علاوہ دوسری کتب میں بھی المجدد للالف الثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح موجود ہے۔

(والحمد لله على ذلك)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

اور

منصبِ قیومیت

اللہ تعالیٰ ﷺ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنی صفات کا مظہر اتم بنا کر خلافت عظمیٰ اور نیابت مطلقہ کا منصب جلیل عطا فرمایا آپ ﷺ کی بزم گیتی میں جلوہ گری سے پہلے انبیائے کرام اور اولوالعزم رسل عظام (علیہم الصلوٰت) آپ کی نیابت و خلافت کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے رہے اور جمیع ممکنات ان حضرات سے فیضیاب ہوتی رہی پھر جب آپ ﷺ بذات خود کائنات ہست و بود میں جلوہ افروز ہوئے تو وَ اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِيْ وَ اَنَا قَاسِمٌ کے مصداق بہ نفس نفیس کائنات میں حسنت و برکات تقسیم فرماتے رہے۔

آپ کے وصال مبارک کے بعد تقسیم فیض کا منصب آپ کے نائبین کو تفویض ہوتا رہا آپ ﷺ کے ہزار برس بعد عادت الہیہ کے مطابق ایسا اولوالعزم فرد کامل چاہئے تھا جو حضور اکرم ﷺ کے ظاہری و باطنی کمالات کا مظہر اکمل ہو اور کائنات اس کی وساطت سے برکات و خیرات سے سیراب ہو، تاکہ آیہ کریمہ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْاٰخِرِيْنَ اور ارشاد نبوی ﷺ مَثَلُ اُمَّتِيْ كَمَثَلِ الْمَطْرِ لَا يُدْرِيْ اَوَّلُهُ اَمْ اٰخِرُهُ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۹۵) کا مفہوم آشکارا ہو جائے، سو اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانیؒ کو مبعوث فرما کر قیومیت کا مرتبہ عظمیٰ عطا فرمادیا۔ اس لیے تاقیامت فیضان قیومیت کے قسیم آپ ہی ہے..... وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را

قیوم کا معنی

لفظ قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے جو قیام مصدر سے مشتق ہے، یہ فَيُعْوَلُ کے وزن پر قَيُوءُومٌ تھا جو صرفی تعلیل سے قیوم بن گیا۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ قیوم کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

قال المجاهد القيوم القائم على كل شيء قال الكلبي القائم على كل نفس مما كسبت و قيل هو القائم بالامور قال ابو عبدة الذي لا يزول و قال البيضاوي الدائم القيام بتدبير الخلق و حفظه فيقول من قام بالامر اذا حفظه و قال السيوطي الدائم البقاء قلت مرجع الاقوال انه دائم الوجود القائم بنفسه و قيم الاشياء كلها لا يتصور قيام شيء و بقاءه الا به فمقتضى هذا الاسم ان ما سواه يحتاج اليه في بقاءه كما يحتاج اليه في وجوده كالظلي بالنسبة الى الاصل (تفسير مظہری) یعنی حضرت مجاہد نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر شئی پر قائم ہو..... کلبی نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر جاندار شئی کے اکتساب پر قائم ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیوم وہ ہے جو تمام امور پر قائم ہو..... ابو عبیدہ نے کہا قیوم وہ ہے جو لازوال ہو..... بیضاوی نے کہا قیوم وہ ہے جو ہمیشہ رہے اور خلقت کی تدبیر و حفاظت پر قائم ہو یہ بھی کہتے ہیں کہ امر پر قائم ہونے سے مراد اس کی حفاظت کرنا ہے..... امام سیوطی نے کہا قیوم وہ ہے جسے دائمی بقاء ہو..... میں کہتا ہوں تمام اقوال کا ما حاصل یہ ہے کہ قیوم وہ ہے جس کا وجود (ہونا) دائمی ہو وہ بذات خود قائم ہو اور تمام اشیاء کو قائم رکھنے والا ہو

بایں طور کہ کسی بھی شئی کا قیام اور اس کی بقاء اس کے بغیر متصور نہ ہو تو اس اسم (قیوم) کا مقتضی یہ ہے کہ ہر ماسوا اپنی بقاء میں بھی اسی کا محتاج ہوتا ہے جس طرح اپنے وجود میں اس کا محتاج ہوتا ہے جیسے ظل (سایہ) کی نسبت اصل کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں:

قیومٌ و ہى من ابنىة الببالغة و ہى من صفات اللہ تعالیٰ
ومعناة القائم بامور الخلق و مدبر العالم فى جمیع احوالہ و منہ
الحديث حتى يكون لخمسين امرأة قيم واحدٌ قيم المرأة زوجها
لانه يقوم بامرہا و ما تحتاج اليه یعنی قیوم مبالغہ کے اوزان میں سے ہے
اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کا معنی مخلوق کے امور کو قائم رکھنے
والا اور عالم کے تمام احوال کی تدبیر فرمانے والا یہ مفہوم حدیث سے ماخوذ ہے کہ

قرب قیامت پچاس عورتوں کے امور کی تدبیر کرنے والا ایک مرد ہوگا اس معنی
میں عورت کے خاوند کو قیوم المرأة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس عورت کے معاملات کی تقویم
و تدبیر کرتا ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ (نہایہ جلد چہارم: ۱۳۵)

قیوم سے مراد وزارت و خلافت ہے

قیوم مخلوق پر تمام انعامات الہیہ کا سبب ہوتا ہے اولوالعزم رسول کا نائب ہوتا
ہے اس کا مخالف اس کے فیض سے محروم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے
فرمایا:

معادہ انسان کامل تا بجائے می رسد کہ اورا قیوم جمیع اشیاء بحکم
خلافت می سازند و ہمہ را افاضہ وجود و بقاء و سائر کمالات ظاہری و باطنی

بتوسط اومی رسانند (دفتر دوم مکتوب: ۷۴)

ترجمہ: قیوم انسان کامل ہوتا ہے جس کو تمام اشیاء کائنات کا قیوم یعنی خلیفۃ اللہ بنایا جاتا ہے۔ تمام مخلوق کو وجود اور بقاء اور تمام کمالات ظاہری و باطنی اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا:

”این عارفی کہ بہ منصب قیومیت اشیاء مشرف گشته است حکم وزیر دارد کہ مہمات مخلوق را با و مرجوع داشته اند ہر چند انعامات از سلطان است

اما وصول آنها مربوط بتوسط وزیر است“ (دفتر دوم مکتوب: ۷۴)

ترجمہ: وہ عارف جو قیوم کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم معاملات کا تعلق اسی کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا وصول وزیر کی وساطت سے وابستہ ہے۔

قیوم کے دو مفہوم

لفظ قیوم جب ذات باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے لئے بولا جائے تو اس کا معنی قائمًا بذاتہ و مقومًا لغيرہ ہوگا (شرح نفا کبر: ۱۹۳) یعنی جو بذات خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو اور یہ لفظ جب کسی مخلوق کے لئے بولا جائے تو اس کا لغوی معنی مراد لیا جائے گا اور اس کی تاویل کی جائے گی یعنی کسی شے کے قیام اور بقاء کا وسیلہ و ذریعہ۔

صوفیائے کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ قیوم، غوث، قطب الاقطاب اور فرد کامل تقریباً ایک جیسا مفہوم رکھتے ہیں۔ صرف قیوم کی اصطلاح حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہوئی اور آپ نے قیومیت سے خلافت اور وزارت مراد لی ہے چنانچہ

آپ نے اپنے متعلق اور اپنے جانشین عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منصبِ قیومیت کے عطا ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آن خلعت اور اہتمام پوشانیدند و این خلعت زائدہ کنایت از معاملہ قیومیت بودہ است کہ بتربیت و تکمیل تعلق داشتہ“ (دفتر سوم مکتوب: ۱۰۴)

یعنی آپ نے واقعہ میں دیکھا تھا کہ آپ کے جسم سے ایک خلعت (لباس) جدا ہوگئی اور وہ آپ کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو مرحمت فرمائی گئی وہ خلعت زائدہ معاملہ قیومیت ہے جو کہ تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے۔

صاحب روضۃ القیومیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے قیوم اول حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر دستار مبارک باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ (روضۃ القیومیہ مترجم: ۱۷۱)

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ قیومیت کے متعلق رقمطراز ہیں:

قیوم درین عالم خلیفہ حق است جل و علا و نائب مناب او اقطاب و ابدال در دائرہ ظلال وے مندرج اند و افراد و اوتاد در محیط کمال او مندرج، افراد عالم ہمہ بوے روئے دارند و قبلہ توجہ جانیان او ست دانند یا ندانند بلکہ قیام عالمیان بذات او ست چہ افراد عالم چونکہ مظاہر اسما و صفاتند ذاتے در میان شان کائن نیست ہمگی اعراض و اوصاف اند و اعراض و اوصاف را از ذات و جوہر چارہ نیست تا قیام شان بان بود و عادت اللہ جاری ست کہ بعد از قرون متطاوہ عارفے را نصیبے از ذات ارزانی داشتہ

ویرا ذاتی عظامی فرمایند کہ بحکم نیابت و خلافت قیوم اشیا می گردد و اشیا بوے قائم می باشند (مکتوبات معصومیہ دفتر اول: ۸۶)

یعنی قیوم اس عالم میں حق جل و علا کا خلیفہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے دائرہ ظلال میں داخل اور افراد و اوتاد اس کے محیط کمال میں شامل ہوتے ہیں۔ تمام افراد عالم اس کی طرف رخ رکھتے ہیں اور اہل جہان کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے، خواہ وہ جانے یا نہ جانے، بلکہ اہل عالم کا قیام اسی کی ذات سے ہے۔ اس لئے کہ افراد عالم چونکہ اسماء و صفات کے مظاہر ہیں۔ کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں ہے۔ سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کو ذات جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ ان کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذات موہوب عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت و خلافت کے طور پر اشیا کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیا اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔

جب بھارت کے دو مفتیانِ خام نے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیومیت پر تکفیری فتویٰ داغ دیا تو اہل علم، آپ کے معتقدین اور عامۃ المسلمین و رطہء حیرت میں مبتلا ہو گئے اور پکاراٹھے

خرد کی نامسلمانی سے فریاد

تعجب ہے ایسے نام نہاد مفتیوں کی جہالت و حماقت پر جو کرم کتابی بن کر ہمہ وقت ورق گردانی اور دماغ سوزی کرتے رہتے ہیں مگر نور ہدایت اور باطنی بصیرت سے کسر محروم ہیں اور آریہ کریمہ وَ أَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَ خَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَ قَلْبِهِ وَ جَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً اور ارشاد نبوی ﷺ أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ

فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُ هُمَا (مشکوٰۃ: ۴۱۱) کے مصداق ٹھہرے ہیں

مولانا روم مست بادۂ قیوم نے شاید اسی قسم کے علماء سو کو وصیت فرمائی تھی

صد کتب ، صد ورق در نار کن

روئے دل را جانبِ دلدار کن

صد افسوس اس شخصیت کے آفتابِ ایمان کو بغض و عناد کی گردوغبار سے گہنانے

کی مذموم کوشش کی گئی جن کی بدولت چہار دانگ عالم اور برصغیر میں اسلامی عقائد و افکار

اور روحانی اقدار و آثار محفوظ ہوئے..... دین اسلام کا احیاء ہوا..... سنت و شریعت کو

فروغ ملا.....

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی و

تجدیدی کارناموں پر چشم کشا اور بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ ہو:

”آج جو مساجد میں اذانیں دی جا رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں، خانقاہوں میں جو ذکر

و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لا الہ الا اللہ کی

ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے اگر حضرت مجدد

اس الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی

کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن،

حدیث، فقہ اور باقی علوم دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ،

اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے۔ الا ماشاء اللہ“ (سیرت مجدد الف ثانی: ۱۲)

کاش! کتاب و سنت اور علمائے اسلام کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا تو

نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

○..... قرآن میں انسان کو سمیع و بصیر کہا گیا ہے..... فَجَعَلْنَا سَمِيعًا بَصِيرًا

اللہ تعالیٰ کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے..... إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

..... والدین کو رب کہا گیا..... كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا

اللہ تعالیٰ کو رب کہا گیا..... الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

..... تقسیم وراثت کے وقت یتیموں، مسکینوں کو رزق دینے کا حکم دے کر گویا ورثاء کو

رازق کہا گیا..... فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ (النساء: ۸)

اللہ تعالیٰ کو رازق کہا گیا..... وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

..... حضرت عیسیٰ عليه السلام کو خالق کی صفت سے متصف کہا گیا.....

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ

اللہ تعالیٰ کو خالق کہا گیا..... فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

مذکورہ بالا آیات طیبہ کے علاوہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث نبویہ صلى الله عليه وسلم اس

مفہوم پر دال ہیں جن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سمیع و بصیر اور

بھی ہیں..... خالق اور بھی ہیں..... حاکم اور بھی ہیں..... رب اور بھی ہیں..... قیوم

اور بھی ہیں..... مگر فرق یہ ہے کہ

باقی سمیع مجازی ہیں..... اللہ سمیع حقیقی ہے

باقی بصیر مجازی ہیں..... اللہ بصیر حقیقی ہے

باقی رب مجازی ہیں..... اللہ رب حقیقی ہے

باقی خالق مجازی ہیں..... اللہ خالق حقیقی ہے

باقی حاکم مجازی ہیں..... اللہ حاکم حقیقی ہے

باقی حی مجازی ہیں..... اللہ حی حقیقی ہے

باقی قیوم مجازی ہیں..... اللہ قیوم حقیقی ہے

جس طرح بندگانِ خدا کے لئے سمیع و بصیر، خالق و حاکم وغیرہا صفات مجازاً ماننے

سے بندہ، مؤمن و موحد ہی رہتا ہے مشرک نہیں ہوتا ایسے ہی اگر کسی انسانِ کامل کیلئے صفتِ قیوم بعطاء الہی مجازاً مان لی جائے تو وہ مؤمن و موحد ہی رہے گا مشرک نہیں ہوگا۔
عاشقِ رسول حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت و مجاز کے درمیان امتیاز بیان کرتے ہوئے ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے:

نسبت و اسناد دو قسم ہے حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا جالسِ سفینہ کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقتاً آب و کشتی جاری و متحرک ہیں پھر حقیقی بھی دو قسم ہے ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقتاً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو..... قرآنِ عظیم میں جا بجا اولو العلم و علموا بنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظِ علیم وارد، یہ حقیقتِ عطائیہ ہے یعنی بعطاء الہی وہ حقیقتاً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفسِ کریم کو علیم فرمایا، یہ حقیقتِ ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔
سختِ احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ (الامن والعلی: ۱۵)

محدثِ جلیل حضرت ملا علی قاری احراری رحمۃ اللہ علیہ خصوصاً اسکی اور معنی لغوی کے درمیان فرق کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

ومن قال لمخلوق یا قدوس او القیوم او الرحمن او قال اسماً من اسماء الخالق کفر انتہی وهو یفید انہ من قال لمخلوق یا عزیز و نحوه یکفر ایضاً الا ان اراد بہما المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی والا حوط ان یقول یا عبد العزیز و یا عبد الرحمن (شرح نقدا کبر: ۱۹۳) یعنی جس بندہ مؤمن نے کسی مخلوق سے مخاطب ہو کر کہا یا قدوس، یا قیوم، یا الرحمن یا اسمائے خالق میں سے کسی اسم کے ساتھ مخاطب کیا کافر ہو گیا (انتہی) اور اس سے یہ مفہوم بھی

اخذ ہوتا ہے کہ جس بندہ مؤمن نے کسی مخلوق کو یا عزیز وغیرہ کہا وہ بھی کافر ہو جائے گا لیکن اگر صفاتی اسم سے اس کی مراد ”لغوی معنی“ ہو تو کافر نہیں ہوگا ہاں اگر اسی خصوصیت (مختص بالخالق جل سلطانہ) مراد ہو تو کافر ہو جائے گا البتہ احوط یہی ہے کہ یا عبدالعزیز..... یا عبدالرحمن کہے۔

مجمع الانہر کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ بندہ مؤمن تب ہی کافر ہوگا جب مختص بالخالق جَلَّ جَلَّ اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ مخلوق کو مخاطب کیا جائے ورنہ کافر نہیں ہوگا واطلق علی المخلوق من الاسماء المخصصة بالخالق (جَلَّ جَلَّ) نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرہا یکفر (مجمع الانہر جلد دوم: ۵۰۴) تصریحات بالا سے حقیقی و مجازی، ذاتی و عطائی اور اختصاص الکی اور معنائے لغوی کا فرق واضح ہے جو بہر حال پیش نظر رہنا چاہئے۔

علاوہ ازیں آیہ کریمہ ہوالحی القیوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قیوم فرمایا ہے جبکہ اَمْوَالُكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللهُ قِيَامًا (النساء: ۵) میں اللہ تعالیٰ نے اموال کو انسانوں کا ذریعہ قیام بنایا ہے اور ارشاد نبوی ﷺ اَلَا بُدَالٌ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ بِرِيْهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِرِيْهِمْ تُمَطَّرُوْنَ وَبِرِيْهِمْ تُنْصَرُّوْنَ (جمع الجوامع، رقم الحدیث: ۱۹۔ کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۳۵۹۳ قال المصنف وسندہ صحیح) میں ابدالوں کو زمین کا ذریعہ قیام بتایا ہے۔

اگر اموال و ابدال بعطائے الہی اور باذن اللہ ذریعہ قیام (یعنی قیوم) بن سکتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی کفر لازم نہیں آتا تو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بھی باذن اللہ قیوم ہو سکتے ہیں جس سے کوئی کفر لازم نہیں آتا۔ البتہ قیوم حقیقی، واجب الوجود، قدیم و خالق اور قیوم مجازی، ممکن الوجود، حادث اور مخلوق کا باہمی امتیاز ہر باشعور

مسلمان ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قومیت سے مراد خلافت و وزارت ہے بنا بریں غلط فہمیوں کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے اور شرک کا امکان و احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ قومیت کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

ملک العلماء، بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ وَحَدَاةُ الْوَجُودِ فِي انْسانِ كَامِلٍ كَمَا لَلَّهِ فِي تَمَامِ اسْمَاءِ وَصِفَاتِ كَامِلٍ مَظْهَرٍ هُوَ۔ اللّٰهُ نَعَى اس كُو اِنَا خَلِيفَهُ بِنَايَا هُوَ تَا كُو وَا نَعَى بَا طِنِ كِي مَدَدٍ سَعَى كَا نَاتِ عَالَمِ كُو بَا قِي رَكْهَى اُو ر كَا نَاتِ مِي سَعَى هَرَا يَكِ كُو اَس كَعَى لَاقِ كَمَالِ اُو ر نَقْصَانِ عَطَا كَرَى۔ اَس بِيَانِ سَعَى كُو نِي يَه نَه سَمَجْهَى كَه كَا نَاتِ كُو بَقَا دِي نِي وَا لَا اِنْسَانِ كَامِلٍ هُوَ۔ اِي سَا خِيَالِ كَرْنَا كُفْرٍ هُوَ۔ وِي نِي وَا لَا اُو ر بَا قِي رَكْهِنِي وَا لَا اللّٰهُ هِي هُوَ، اِنْسَانِ كَامِلٍ سَرَفِ وَا سِيْلَهٗ بِنَا هُوَ۔

تمام خلائق میں انسانِ اکمل اور اللہ کے خلیفہ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسل آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی مہر ہے۔“

انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے حضرت مجدد نے بھی وہی کہا ہے اس سلسلہ میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب گیارہ اور دفتر سوم کا مکتوب اسی (۸۰) ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونا چاہئے۔ الْقَيُّومُ مُدَبِّرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكُلِّ شَيْءٍ قَائِمٌ بِأَمْرِهَا قِيَوْمِ آسْمَانوں اُو ر زَمِيْنِ كَا مَدْبِرِ هُوَ اُو ر هَر شَى كَا قِيَامِ اَس كَعَى۔

حضرت مجدد کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاجول واستغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سوء ادب کو متضمن ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ سننے والے کو سمجھ..... دیکھنے والے کو بصیر..... علم والے کو علیم..... حکمت والے کو حکیم کہتے ہو تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور قیوم میں یہ احساس کیوں ہوا کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل لگو کہ خطا ست

سخن شناس نہ نی دلبر خطا این جا است

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے:

اتَّفَقَ أَهْلُ الْكَشْفِ وَالْوَجْدَانِ وَ أَرْبَابُ الشُّهُودِ وَالْعِرْفَانِ
مُؤَيَّدِينَ بِالْبَرَاهِينِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْإِشَارَاتِ النَّقْلِيَّةِ عَلَى أَنَّ الْقِيُومَ
لِلْكَثْرَاتِ الْكُونِيَّةِ وَاحِدٌ شَخْصِيٌّ

ترجمہ: اصحاب کشف و وجدان اور خداوندان شہود و عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارات سے مؤید ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم (قائم اور باقی رکھنے کا ذریعہ) ایک شخص ہے۔

جو بات شیخ اکبر اور حضرت مجدد نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف نام میں ہے کسی نے غوث کا نام رکھا..... کسی نے قطب الاقطاب کا..... کسی نے قطب مدار کا..... کوئی مشکل کشا کہتا ہے..... کوئی کرتا دھرتا..... کوئی قیوم۔ حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے..... حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا..... حضرت مجدد قیوم..... منصب ایک ہے نام مختلف۔

انسانِ کامل میں بھی تفاوتِ درجات ہے جیسا کہ حضراتِ انبیاء میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے۔

یہ منصبِ جلیلِ قیومیت کے نام سے سب سے پہلے حضرت مجدد کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم ہوگا آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا جس طرح پر ہر فقیہ عیال ابوحنیفہ ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

(حضرت مجدد اور ان کے ناقدین: ۶۵، ۶۶)

حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا دکھ بھرا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے دور کے بعض لوگ جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مزاج سے ”مشرف“ ہیں اور سنی بلکہ رضوی کہلانے کے باوجود حکم تکفیر یا تفسیق میں بہت جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ کسی بھی بزرگ کی گستاخی کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں اور اگر کہیں سے کیسی ہی کمزور دلیل بھی مل جائے تو ان کے لئے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے بزرگوں کا جتنا ادب سکھایا ہے، یہ اتنی ہی بے ادبی کر کے خوش ہوتے بلکہ اپنی للہیت پر وجد میں آ کر رقص کرتے ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ ”مجدد الف ثانی“ جیسی ترکیب پر سخیں پاہوتے ہیں اور کبھی لفظ ”قیوم“ پر۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ اعلیٰ حضرت بھی انہیں مجدد الف ثانی کہتے ہیں اور اکابر اسلام میں شمار کرتے ہیں مگر ایک نہیں سنتے۔ وقتی طور پر خاموش ہو جائیں تو بھی دل ان کے بغض سے کالا ہی رہتا ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت: ۱۳۷)

یقینت محمدی ﷺ

کامر قع

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کے ان معدودے چند افراد میں سے ہیں کہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی کمالات و فیوضات سے حظ وافر نصیب ہوا۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت امام ربانی پر ہونے والی عنایات رسالت اور کمالات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک عنایت و کمال بقیہ طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ چنانچہ آپ اپنے عجیب و نایاب علوم و معارف کے ظہور کی وجہ اپنے خمیر کو قرار دیتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

بنیادش نسبت نقشبندیہ است۔۔۔ اگر این بنیاد نمی بود معاملہ تا اینجا
نمی افزود تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمین ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و بلخا
است کشتند و آب فضل سالہا آن را سیراب داشتند و بتربیت احسان مرتبے
ساختند چوں آن کشت و کار بکمال رسید این علوم و معارف ثمرات بخشید
(مکتوب: ۲۶۰) اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ
پہنچتا، بخارا و سمرقند سے اس تخم کو لا کر زمین ہند (سرہند شریف) میں بویا گیا کہ ”جس کی
اصل مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی خاک سے ہے“ اور آب فضل سے اسے برسوں سیراب

کیا گیا اور تربیت احسان سے اس کی پرورش کی گئی جب وہ کھیتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ حاصل ہوا۔ بقول شاعر

نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند

پہناں ز شام و روم بہ سرہند ہشتہ اند

آپ نے ایک مقام پر اپنے بقیہ طینت محمدیہ (ﷺ) ہونے پر وارد ہونے

والے شبہ کا جواب بطریق دفع دخل مقدر تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو

ازاں دولتِ خاصہ او علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از تخلیق و تکمیل او

علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ و التسلیمات بقیہ ماندہ بود کہ در خوان دولت

ضیافت کریاں زیادتی ہا لازم است کہ اولش گویاں نصیب خادماں بود آن

بقیہ را بہ یکے از دولت مندان امت او علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام

اولش گویاں عطا فرمودہ اند و آن را خمیر مایہ ساختہ تخمیر طینت او نمودہ و بہ

تبعیت و وراثت او شریک دولت خاصہ او گردانیدہ علیہ و علیٰ الہ

الصلوٰۃ والسلام

ع با کریان کارہا دشوار نیست۔۔۔ ایں بقیہ در رنگِ آل بقیہ طینت

حضرت آدم ست علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کہ نصیب

خلقت درختِ خرما آمدہ است کہال قال علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ

والسلام اکر مواءمتمکم النخلۃ فایتہا خلقت من طینۃ آدم بلہ

وَلِلْأَرْضِ مِنَ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ (دفتر سوم مکتوب: ۱۰۰)

حضور اکرم ﷺ کی تخلیق و تکمیل کے بعد جو آپ ﷺ کی دولتِ خاصہ سے کچھ

باقی رہ گیا تھا جس طرح سخیوں کی دولت ضیافت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بیچ جانا لازمی امر ہے وہ پس خوردہ خادموں کا حصہ ہوتا ہے وہ بقیہ آپ ﷺ کی امت کے دولت مندوں میں سے ایک خوش نصیب کو بطور اُتش عطا فرمایا گیا ہے۔ اس کا خمیر مادہ بنا کر اس خوش نصیب امتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے اور اسے تبعیت و وراثت کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی دولتِ خاصہ میں شریک کیا گیا ہے سخیوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

یہ بقیہ حضرت آدم عليه السلام کے بقیہ طینت کی مانند ہے جو کھجور کے درخت کی خلقت (پیدائش) کا نصیب ہو گیا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اَكْرَمُوا عَمَّتْكُمْ النَّخْلَةَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ طِينَةِ اَدَمَ وَ فِي رِوَايَةٍ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ اَدَمَ (جمع الجوامع للسيوطي، رقم الحديث: ۱۰۱۔ مفاتيح الغيب للرازي ج ۱۳: ۸۹)

(اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم کی طینت سے پیدا کی گئی ہے)

ہاں۔۔۔۔۔ سخیوں کے پیالے سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

مسئلہ: ممکن۔۔۔۔۔ است کہ بعضے اولیا از بقیہ طینت بعضے انبیاء پیدا شدہ باشند وہم از طینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا شدہ باشند

سوال: این معنی معقول نمی شود چرا کہ ہر کس از نطفہ والدین خود پیدا می شود۔

مسئلہ: اکثر چیز ہستند کہ بعقل انسان ثابت نمی تواند شد از شرع ثابت می شود یا کشف و الہام چنانچہ نفس ولایت کہ عبارت از قرب پنچون است۔۔۔ خطیب از ابن مسعود روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا وَ فِي سُرَّتِهِ مِنْ تُرْبَتِهِ الَّتِي يُوَلَّدُ مِنْهَا فَإِذَا رُدَّ إِلَى
أَرْضِ عُمَرِهِ رُدَّ إِلَى تُرْبَتِهِ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا حَتَّى يُدْفَنَ فِيهَا وَإِنِّي وَ
أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَاحِدَةٍ وَ فِيهَا نُدْفَنُ

جائز است کہ خاک کے کہ حق تعالیٰ برائے پیغمبری مہیا کردہ باشد و از
خلقت زمین آن را با انوار برکات و نزول رحمت پرورش کرده باشد از جملہ
آن چیزے بقیہ ماندہ باشد کہ خمیر مایہ شخصے از اولیاء شود۔ این امر عقلاً محال
نیست و از شرع مستفاد و از کشف ثابت می شود و این را در اصطلاح
اصالت گویند و صاحب اصالت در نظر کشفی چنان بنظر می در آید کہ گویا جسد او
مرصع است از جواهر و اجساد دیگران از آب و گل۔

مسئلہ: اصالت ہر چند موجب فضل است اما افضلیت صاحب اصالت
بر کسانیکہ افضلیت شان باجماع ثابت است لازم نمی آید۔ نبی بینی کہ
عبداللہ ابن جعفر بموجب نص حدیث صاحب اصالت است حالانکہ عثمان
و علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم از وے افضل اند باجماع۔

ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء (علیہم السلام) کے باقی خمیر سے پیدا ہوئے
ہوں اور رسول اکرم ﷺ کے بقیہ خمیر سے بھی پیدا ہوئے ہوں۔

سوال: یہ بات قرین عقل نہیں لگتی کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا ہوتا
ہے۔

جواب: اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسانی عقل سے ثابت نہیں ہو سکتیں مگر شرع سے ثابت
ہوتی ہیں یا کشف و الہام سے جیسے نفس ولایت، جو بیچون قرب سے عبارت ہے۔

خطیب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 یعنی ”ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ
 ارزل عمر (موت) کو پہنچتا ہے تو اسے اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس سے وہ
 پیدا ہوا تھا حتیٰ کہ اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔ بے شک میں، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم ایک ہی
 مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن کیے جائیں گے۔“

(جامع الاحادیث، رقم الحدیث: ۲۰۷۷۶)

یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ نے جو خاک کسی پیغمبر کے لئے مہیا کی ہو اور خلقت زمین
 کے وقت سے اسے انوارِ برکات اور نزولِ رحمت سے پرورش کیا ہو اور اس میں سے
 کچھ مٹی بچ رہی ہو وہ کسی ولی کے جسم کا خمیر بن جائے۔ یہ بات عقلاً محال نہیں ہے،
 شریعت مطہرہ سے مستفاد ہے اور کشف سے بھی ثابت ہوتی ہے، اس کو اصطلاح میں
 ”اصالت“ کہتے ہیں اور صاحبِ اصالت کشف کی نظر میں یوں دکھائی دیتا ہے کہ گویا
 اس کا جسم جو اہرات سے آراستہ ہے اور دوسروں کا جسم پانی اور مٹی سے بنا ہے۔

ہر چند اصالت موجب فضل ہے لیکن صاحبِ اصالت کی افضلیت ان لوگوں
 پر جن کی افضلیت اجماع سے ثابت ہے لازم نہیں آتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عبداللہ بن
 جعفر رضی اللہ عنہما نص حدیث کے بموجب صاحبِ اصالت ہیں حالانکہ عثمان، علی، حسن اور
 حسین رضی اللہ عنہم بالا جماع ان سے افضل ہیں۔ (ارشاد الطالبین)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے معاندین اعتراض کرتے
 ہیں کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ بقیہ طینت محمدیہ (ﷺ) سے ہیں تو ”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا
 خمیر تھا“ کے مطابق آپ کو گنبدِ خضریٰ کے نیچے مدفون ہونا چاہئے تھا حالانکہ آپ
رضی اللہ عنہ کا مدفن مبارک سرہند شریف (انڈیا) میں ہے۔

جو اباً عرض ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عبداللہ بن

جعفر زین العابدینؑ حضور اکرم ﷺ کی بقیہ طینت مطہرہ سے ہیں جیسا کہ ارشادات نبویہ ﷺ
 اِنَّ عَلِيًّا مَيِّتِيْ وَاَنَا مِنْهُ خُلِقَ مِنْ طِيْنَتِيْ (المعجم الاوسط جز سادس: ۱۶۲) اور اِنَّ
 رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هِنِيْئًا لَكَ مَرِيْئًا خُلِقْتَ مِنْ طِيْنَتِيْ وَ
 اَبُوْكَ يَطِيْرُ مَعَ الْمَلٰٓئِكَةِ فِي السَّمٰوٰتِ (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۷۱۶۷- جامع
 الاحادیث، رقم الحدیث: ۲۶۰۸۵) سے عیاں ہے مگر ان کی قبور مقدسہ حضور اکرم ﷺ کے
 ساتھ نہیں بلکہ دوسرے مقامات شریفہ پر ہیں۔ جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مزار
 پر انوار بروایت اشہر نجف اشرف میں ہے۔

علاوہ ازیں خود حضور اکرم ﷺ، جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طینت
 مبارکہ سے ہیں، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرقد انور کہیں اور ہے اور حضور اکرم ﷺ
 مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے خُلِقْتُ مِنْ طِيْنَةِ
 اِبْرٰهِيْمَ (المعجم الاوسط جز ششم: ۱۶۲)

البتہ حضور اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
 تینوں حضرات کی تخلیق ایک ہی طینت مقدسہ سے ہوئی اور آپ نے شیخین کریمین کو
 اپنے ہمراہ مدفون ہونے کی نوید جانفرا سنا کر ان دونوں حضرات کی تخصیص فرمادی
 جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ اِنِّيْ وَاَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَاَحَدَةٍ وَفِيْهَا
 نُدْفَنُ (جامع الاحادیث للیسوطی، رقم الحدیث: ۲۰۷۷۶) سے آشکارا ہے۔

المختصر مقبول ان بارگاہ احدیت پر اعتراض و انکار سے کلیتہً اجتناب کرنا چاہئے یہ
 محض اللہ تعالیٰ کا اجتباء و اختصاص ہے۔ کسی بندہ مؤمن پر عطاء الہی اور انعام ربانی
 دیکھ کر رشک کرنا چاہئے نہ کہ حسد۔۔۔۔۔ قَبْلَ مَنْ قَبْلَ بِلَا عِلَّةٍ

با خدا دادگان ستیزہ مکن
 کہ خدا دادہ را خدا دادہ است

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

و بالجملہ شیخ مجدد ارباص ایں دورہ اند۔۔۔ تعظیم شیخ تعظیم حضرت مدور
ادوار و مکون کائنات است و شکر نعمت شیخ شکر نعمت منفیض او است
اعظم الله تعالى له الاجور

المختصر شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ دورہ الف دوم کے لئے معدن خیر ہیں۔۔۔ آپ کی تعظیم
مدور ادوار اور مکون کائنات (اللہ تعالیٰ) کی تعظیم ہے اور آپ کے انعامات و برکات کا
شکر یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر کرنا ہے۔ (المجموعۃ السنیۃ: ۹۵)

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کی اہمیت و افادیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے انسان کو اجزائے مختلفہ سے مرکب فرما کر **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ** کی خلعتِ کرامت سے نوازا۔ اسے اپنی صفتِ علم کا مظہر بنا کر اظہارِ بیان کے لئے قوتِ گویائی اور قلم و قرطاس عطا فرمادیا تاکہ وہ اپنی علمی صلاحیتوں اور تدریسی قابلیتوں کے ذریعے رشد و ہدایت اور تعلیم و دعوت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ تب سے حضرت انسان نے کبھی زبان و بیان کے ذریعے تبلیغ و تدریس کے فرائض ادا کئے اور کبھی قلم و قرطاس کے ذریعے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت پر گامزن کیا، یوں وہ **عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** اور **عَلَّمَهُ بِالْقَلَمِ** کا مظہر اتم قرار پایا۔

وعظ و بیان کے ذریعے لٹائے ہوئے لوہے لالہ کو مواعظات و ملفوظات کہا جاتا ہے اور بذریعہ قلم صفحہ قرطاس پر بکھیرے ہوئے علمی جواہر پاروں کو مرقومات و مکتوبات کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان **السلیمان** نے بذریعہ مکتوب ہی ملکہ بلقیس کو دعوت توحید دی تھی۔ حضور اکرم **ﷺ** نے بھی غیر مسلم شاہانِ وقت کو بذریعہ مکتوبات دین اسلام کا پیغام پہنچایا۔

عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص علمائے راہنہ اور صوفیائے کاملین کے ملفوظات و مکتوبات ملتے ہیں۔ مگر ان میں مکتوبات امام ربانی **رحمۃ اللہ علیہ** کو ایک

منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ جن میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت کا لب لباب بیان فرمادیا ہے غرضیکہ

خزینہٴ لازوال حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد!
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تو نے

معارفِ امام ربانی کی اقسام

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل و مکتوبات میں شریعت و طریقت کے اسرار و حقائق کے ایسے دریا بہائے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی تجدید و امامت اور اجتہاد و ولایت کا علم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نہایت بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے، ملاحظہ ہو:

”واضح ہو کہ مبداءِ فیاض سے باطن شریف آنجناب پر جو کچھ معارف و اسرارِ مخصوصہ وارد ہوتے تھے، ان کی چند قسمیں ہیں۔

..... ایک قسم ایسی ہے کہ آنجناب قدس سرہ کبھی ان کو زبان فیض ترجمان پر نہ لائے اور رمز و اشارہ سے بھی کبھی ظاہر نہ کیا مثلاً تاویل مقطعات و متشابہات قرآنی کہ آنجناب پر منکشف ہوئے تھے۔

..... دوسری قسم وہ ہے کہ ان کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر فرمایا، دوسرے اشخاص کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور نہ ہی وہ معرض تحریر میں لائے گئے۔

..... تیسری قسم کے وہ معارف ہیں جن کو آپ نے اپنے ان مریدوں سے جو محرمانِ راز و کالمین اصحاب تھے، بیان کیا اور ان کے اظہار کے وقت خلوتِ خاص ہوتی تھی اور دروازے بند کر لئے جاتے تھے۔ اگر اتفاقاً کوئی اور شخص آجاتا تو سکوت اختیار

فرماتے اور روئے سخن بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو کسی اور وقت بیان فرماتے تھے۔ یہ معارف حتی الامکان تحریر نہیں کیے جاتے تھے مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی اس کا ادراک نہ کر سکے۔

..... چوتھی قسم یہ ہے کہ بہ التماس سائل یا بہ نیت افادۂ طالبان عموماً و شمولاً تحریر کیے گئے۔ رسائل و مکاتیب دفاتر ثلاثہ و افرالبرکات ان ہی اسرار قسم چہارم پر مشتمل ہیں اور ہر معرفت دل کے بیماروں کیلئے شفاء اور محجوروں کیلئے وصال ہے۔

اس کے بعد قسم چہارم کی پر معارف تصانیف، جن میں مکاتیب قدسیہ بھی شامل ہیں، کے علوشان اور ان کی جامعیت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

”بہ لحاظ مطالب کی باریکیوں، عبارتوں کے دقائق، اسرار کی تحقیق اور حالات و اشارات کی تدقیق جو آپ کے علوشان اور رفعت مکان و بلندی مراتب پر کرامت ساطعہ اور آئیہ قاطعہ ہیں۔ کشف حقائق الہی میں جو کچھ باریکیاں اور نازک بیابانیاں آپ ﷺ نے کی ہیں اکابر علماء و مشائخ اس کے شیفہ ہیں۔ اور جو کچھ دقائق متعلق بہ حضرات خمس اور توحید و جودی و شہودی..... مشاہدہ و مکاشفہ..... ایقان و ایمان..... غیب و عیان..... اطوار سبغہ..... ظہور انوار مختلفہ..... تجلیات متکلفہ و غیرہ..... جمع بین التشبیہ والتزیہہ..... تزیہہ صرفہ..... خفایاے اطلاق و مجال تعینات..... تجلی برقی و دوامی..... معاملہ وراء تجلی..... سکر و صحو..... علوم وراثت و غیر وراثت، ولایت کی قسموں کی تحقیق یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا..... مقام نبوت و رسالت..... صدیقیت و قربت..... تدلی و تدنی..... محبت و خلعت، درجات سبغہ متابعت، وجد صباحت و ملاحت و جمع درمیان ہردو، سیر آفاقی و انفسی..... اور سیر ماوراء آفاق و انفس میں آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ عقل مندوں پر ظاہر و ہویدا ہیں۔ صرف یہی علوم و معارف جو تحریر فرمائے گئے، وہ علو مقال اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مرتبہ اعجاز میں داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ ابنائے

روزگار اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں..... اور جب خلوت میں زبان الہام ترجمان سے بیان کرتے تھے، تو اور ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مقومات ”قال“ ہیں اور ملفوظات ”حال“ وہ (قال) بیان معرفت ہے اور یہ (حال) القائے نسبت و اعطائے نعمت ہیں“ (حضرات القدس حضرت ہفتم)

حضرت شیخ بدرالدین کے بیان بالا کے مطابق خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی مکتوبات کو قسم چہارم کے اسرار و معارف میں شمار کیا ہے۔ (زبدۃ المقامات فارسی: ۱۲۳)

مکتوبات کی اہمیت

حضور اکرم ﷺ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو امت محمدیہ کا محدث فرمایا ہے کہ جن کی زبان حق ترجمان پر اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کو نسبتاً فاروقی ہونے کی وجہ سے دراثتاً اس سے حظ وافر عطا ہوا چنانچہ آپ ایک مکتوب بنام فرزند کلاں عالم ربانی عارف سبحانی خواجہ محمد صادق رضی اللہ عنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اے فرزند یہ معارف جو تحریر کئے ہیں امید ہے کہ ”از الہامات رحمانی باشند کہ اصلاً شائبہ وساوس شیطانی را در انجا مجال نبود“ سب الہامات رحمانی سے ہیں ان میں شیطانی وساوس کے شائبہ کی ہرگز گنجائش نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ جب فقیر نے ان علوم کی تحریر کا ارادہ کیا تو بارگاہ خداوندی میں التجاء کی تو دیکھا ”ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام از نواحی آن مقام دفع شیطان می کردند و نمی گذاشتند کہ در حوالی آن مکان بگردد“ کہ فرشتے اس مقام سے شیطان کو دفع کر رہے ہیں اور اس کے قریب بھی اسے آنے نہیں دیتے۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۳)

دفتر سوم کے دیباچہ میں ہے:

میں تو اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ تمام علوم جو تبیین و تحریر میں آئے ہیں آیا حق

تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں یا نہیں؟ ملہم حقیقی کی طرف سے بشارت اور اشارہ کے انتظار میں خاموش ہو گیا دوسرے روز فرمایا کہ گذشتہ شب ندا آئی اور بارگاہِ قدس جل سلطانہ کی طرف سے ظاہر کیا گیا کہ ”ایں ہمہ علوم کہ نوشتہ بل ہرچہ در گفتگوئے تو آمدہ ہمہ مقبول و مرضی است“ یہ تمام علوم جو لکھے گئے بلکہ جو تمہاری گفتگو میں آئے سب مقبول و پسندیدہ ہیں اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”ایں ہمہ ما گفتہ ایم و بیان ما است“ یہ سب کچھ ہمارا کہا ہوا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے..... پس قلم محترم را بہ نگارش اسرار قدم جریان دادند“ پھر قلم محترم کو اسرارِ قدم کے لکھنے میں جاری کر دیا۔

ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

این معارف از حیطہ ولایت خارج است ارباب ولایت در رنگ
 علماء ظواہر در ادراک آن عاجزند و در درک آن قاصر این علوم مقتبس از مشکوٰۃ
 انوار نبوت اند علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام و التَّحِیَّۃ کہ بعد از تجدید الف
 ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب این علوم
 و معارف مجدد این الف است کَمَا لَا یَخْفَىٰ عَلَى النَّاطِرِیْنَ فِی عُلُومِهِ وَ
 مَعَارِفِهِ الَّتِی تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَ الصِّفَاتِ وَ الْأَفْعَالِ وَ تَتَلَبَّسُ
 بِالْأَحْوَالِ وَ الْمَوَاجِیدِ وَ التَّجَلِّیَّاتِ وَ الظُّهُورَاتِ فِیَعْلَمُونَ أَنَّ هُوَ لَاءِ
 الْمَعَارِفِ وَ الْعُلُومِ وَ رَاءِ عُلُومِ الْعُلَمَاءِ وَ رَاءِ مَعَارِفِ الْأَوْلِیَاءِ بَلْ
 عُلُومٌ هُوَ لَاءِ بِالنِّسْبَةِ إِلَىٰ تِلْكَ الْعُلُومِ قِشْرٌ وَ تِلْكَ الْمَعَارِفُ لُبٌّ ذَلِکَ
 الْقِشْرِ وَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِی

یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں اولیاء علمائے ظواہر کی طرح ان معارف کے ادراک سے عاجز ہیں اور ان کے درک سے قاصر ہیں یہ علوم انوار نبوت کے سینہ سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد بطور تبعیت و وراثت تروتازہ ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف والا مجدد الف ثانی ہے جیسا کہ اس کے علوم و معارف کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات سے التباس رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معارف و علوم، علوم علماء اور معارف اولیاء سے وراہ ہیں بلکہ ان علماء و اولیاء کے علوم ان علوم و معارف کا پوست ہیں اور وہ معارف اس پوست کا مغز ہیں۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

یہ علوم و معارف وہ ہیں کہ اہل اللہ میں سے کسی نے بھی نہ تو صراحتاً کلام کیا ہے اور نہ ہی ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اشرف معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد منصف ظہور پر آئے ہیں واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور حقائق ممکنات کو کہا ممکن و یلیق بیان فرمائے گئے ہیں ” نہ مخالفت بکتاب و سنت دارند و نہ مبالغت باقوال اہل حق “ یہ علوم و معارف کتاب و سنت کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۳)

آوان و اکوان میں تصرف و کرامت کو منحصر جاننے والوں کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ظہور خوارق نہ از ارکان ولایت ست و نہ از شرائط آل بخلاف معجزہ مر نبی را علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ از شرائط مقام نبوت ست“ ظہور خوارق نہ تو ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے بخلاف معجزہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ مقام نبوت کی شرائط میں سے ہے..... خوارق احیاء و اماتت میں

منحصر نہیں ہے الہامی علوم و معارف سب سے عظیم نشانی اور سب سے بلند خوارق ہیں اسی لئے معجزہ قرآنی تمام معجزات سے قوی اور دائمی ہے آنکھیں کھول کر دیکھیں یہ علوم و معارف جو ابرنیساں کی طرح برس رہے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں اس کثرت کے باوجود یہ علوم مکمل طور پر علوم شرعیہ کے موافق ہیں بال برابر بھی ان میں مخالفت کی گنجائش نہیں یہ خصوصیت، صحت علم کی علامت ہے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ”علوم شما ہمہ صحیح است“ تمہارے تمام علوم صحیح ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۱۰۷) ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

سبحان اللہ کہ انہیں حقیر بے نواست بظہور می آید اگر اکثرے جمع شدہ در تصویر آں کوشند معلوم نیست کہ میسر شود مانا کہ حظ وافر انہیں معارف نصیب حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان خواہد بود

اگر پادشہ بر در پیرزن بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس حقیر سے بے ارادہ ظاہر ہو رہے ہیں اگر اکثر لوگ جمع ہو کر ان جیسے پیش کرنے کی کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے۔ بہ تحقیق ان معارف سے حضرت مہدی موعود رحمۃ اللہ علیہ کو حظ وافر نصیب ہوگا۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان اسرار کو قلمبند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کر دیا گیا تھا کہ آپ کی مرقومات حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے بھی گذریں گی اور ان کے نزدیک بھی مقبول ہوں گی۔ (حضرات القدس جلد دوم حضرت ہفتم) حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایں معارف ست کہ دفاتر مکتوبات کثیر البرکات و رسائل معادن

الفتوحات مستضمن آست و ہر معرفتی ازاں شفا بخش دل ہائے رنجوراں و مقرب دوراں و مہجوراں (زبدۃ المقامات: ۲۲۳)

یعنی یہ معارف وہ ہیں کہ مکتوبات مبارکہ اور رسائل مقدسہ جن پر مشتمل ہیں جن میں سے ہر معرفت رنجور دلوں کو شفا بخشتی اور دوروں اور مہجوروں کو قرب آشنا کرتی ہے۔

اسی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے مکتوبات شریفہ کے بغور مطالعہ کی تاکید فرمائی..... مطالعہ مکتوبات را لازم گیرند سود مند است

ع دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں

(دفتر اول مکتوب: ۲۳۷)

تا کہ سرمایہ سعادت اور ذوق معرفت نصیب ہو سکے۔ بقول شاعر
وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کا جن کی معرفت سارا زمانہ ہے

مکتوبات کی ترتیب و تعداد

غوث المحققین، قطب العارفين حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے تحریر فرمودہ مکاتیب مقدسہ تین دفاتر پر مشتمل ہیں۔

دفتر اول..... آپ کے مرید با وفا حضرت خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۵ھ میں جمع کیا اس لیے یہ دفتر ”دارالمعرفت“ کے تاریخی نام سے موسوم ہے جس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جو آپ کے حکم سے بطور تیمناً مرسلین پیغمبروں، اصحاب بدر اور (اصحاب طالوت) کی تعداد کے موافق ہیں۔

دفتر دوم کے دیباچہ میں حضرت خواجہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

چوں جلد اول مکتوبات بعدد سہ و صد سیزدہ (۳۱۳) مکتوب رسید حضرت
ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ برہمیں عدد ختم کنند کہ موافق عدد
پیغامبروں مرسل است صلوات اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہم و نیز موافق عدد
اہل بدر است رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تبرکاً و تیناً برآن عدد ختم نموده
آمد

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”فقیر کی آرزو تھی کہ
حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ایک مکتوب اس عاجز کے نام تحریر فرمائیں اور وہ اس
دفتر کے خاتمہ پر درج کیا جائے اس لئے کہ احقر آپ کے کترین مخلصوں میں سے ہے
چنانچہ جب یہ خادم برہانپور تھا آپ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ
اس دفتر کو مطابق تعداد رسل و اصحاب جنگ بدر فلاں مکتوب پر جو فلاں شخص کے نام ہے
ختم کریں فَحَصَلَ مُرَادِي بِكَرَامَتِهِ چونکہ بندہ نے اس دفتر کی تاریخ اختتام ”دار
المعرفت“ نکالی تھی، آپ نے تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں۔“

(زبدۃ المقامات: ۲۲۰)

اس دفتر کے اختتام پر صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے تین
عریضے بھی شامل ہیں یہ انہوں نے اپنے والد گرامی قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس
میں تحریر کئے تھے جو ان کے بلند احوال و کیفیات پر مشتمل ہیں اسی سال (۱۰۲۵ھ)
ان کا وصال باکمال ہوا تھا۔

دفتر دوم..... کو حضرت خواجہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حضاری رحمۃ اللہ علیہما (خلیفہ امام
ربانی رحمۃ اللہ علیہ) نے عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۰۲۸ھ کو
مرتب فرمایا تھا اس لیے اس دفتر کا تاریخی نام ”نور الخلاق“ ہے۔ اس میں اسمائے حسنیٰ

کی تعداد کے مطابق ۹۹ مکتوبات ہیں۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں قلعہ گوالیار میں نظر بند تھے۔

دفتر سوم کے دیباچے میں ہے:

پہوں آن جلد بہ نو دونه (۹۹) مکتوب رسید کہ مطابق اسماء حسنی است

برہماں ختم شد در سالے کہ تاریخ آن از نور الخلائق ہویدا است
دفتر سوم..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز (جب آپ شاہی لشکر کے ہمراہ رہتے تھے) نے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی زیر نگرانی ۱۰۳۱ھ میں مرتب کروایا تھا۔ اس دفتر کا تاریخی نام ”معرفة الحقائق“ ہے، لفظ ”ثالث“ (۱۰۳۱ھ) سے بھی تاریخ ترتیب نکلتی ہے۔ قرآنی سورتوں کی تعداد کے مطابق اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد ۱۱۴ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے دفتر چہارم کے لیے مکاتیب کی تحریر کا سلسلہ شروع فرمایا تھا مگر حیات مستعار نے وفات کی اس لیے ان تحریر فرمودہ مکاتیب مقدسہ کو دفتر سوم میں ہی شامل کر دیا گیا۔ حضرت خواجہ کشمی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

بعد از اتمام جلد ثالث و مہجری بندہ از آستان بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بہ ظور آمدہ بود و ہنوز بہ چارده (۱۴) مکتوب نہ رسیدہ کہ آن ماہ چارده آسمان قطبیت او در نقاب مغرب تراب کشیدہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ الانور و نور مضجعه المعطر بحرمة سید البشر و الصلوٰۃ والسلام علیہ و علی آلہ واصحابہ واحبائہ الی یوم المحشر ناچار آن

مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد (زبدۃ القامات: ۲۴۱)

لشکر سلطانی سے رخصت ہو کر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ۱۰۳۳ھ

سرہند شریف پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت خواجہ سعید اور حضرت خواجہ معصوم کے علاوہ معدودے چند افراد کو خلوتِ خاص میں شرف باریابی نصیب ہوتی تھی خواجہ محمد ہاشم کشمی آپ کے وصال سے قبل ہی دکن چلے گئے تھے۔

خواجہ کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر چہارم کے چودہ مکتوبات بیان فرمائے ہیں ممکن ہے چار مکتوبات عدم دستیابی یا کسی اور وجہ سے شامل نہ ہو سکے ہوں۔ دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ بنام مولانا حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت خواجہ محمد معصوم تحریر فرماتے ہیں:

آخریں چیز سے کہ حضرت ایشان ماقد سنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس نوشتہ اند کہ مکتوبے ست کہ قبیل آخریں مکتوبات جلد ثالث است متصل ہاں بنام مولانا حسن دہلوی و در ان مکتوب فوق تعیین وجودی، تعیین جہی اثبات نمودہ اند (دفتر اول مکتوب: ۱۸۳)

مکتوبات امام ربانی کے دفتر سوم مکتوب: ۱۲۳ جس میں غوث الثقلین سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر افلک شمس الاولین کی شرح ایام مرض میں خود حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے بیان فرمائی تھی اور حضرت خواجہ معصوم کو سلکِ تحریر میں پروانے کا حکم دیا تھا حضرت خواجہ معصوم ارقام پذیر ہیں:

در مرض آخریں ذرہ حقیر را وصیت بہ نوشتن بعضے ازیں اسرار کہ قابل اظہار بودند چنانچہ این فقیر بہ مقتضائے وصیت در ایام عزائے آنحضرت بحسب فہم قاصر خویش با چشم گریاں و دل ریش مواجہ روضہ منورہ نشستہ آن در ہائے ماسفتہ را در سلک نظم کشیدہ و داخل مکتوبات قدسی آیات آنحضرت گردا بند چنانچہ ختم مکتوبات جلد ثالث بہاں مرقومات مقرر

گشت (دفتر اول مکتوب: ۱۹۳)

مکتوبات امام ربانی دفتر سوم کے آخری مکتوب: ۱۲۴ بنام شیخ طاہر جوئی پوری جس میں حقیقت کعبہ کو ذات بے چون واجب الوجود سے تعبیر فرمایا ہے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا تحریر فرمودہ لکھا ہے

آنحضرت قدسنا اللہ بسرہ الاقدس در مکتوبے کہ شیخ طاہر جوئی پوری نوشتہ اند حقیقت کعبہ عبارت از ذات بیچون واجب الوجود است جل سلطانہ (دفتر اول مکتوب: ۱۸۳)

حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہ العزیز نے مکتوب: ۱۲۴ کو ہی آخری مکتوب قرار دیا ہے جس میں حقیقت محمدیہ کو تمام حقائق سے فوق لکھا گیا ہے:

کما ذکرہ رضی اللہ عنہ فی آخر مکتوبہ لہ قبل وفاتہ بایام
قلیلة ان الحقیقة المحمدیہ فوق جمیع الحقائق

(مکتوبات سعیدیہ مکتوب: ۶۸)

تینوں دفاتر میں مکتوبات شریفہ کی تعداد ۵۳۶ ہے جن میں پہلے بیس مکتوبات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد بزرگوار خواجہ بیرنگ خواجہ باقی باللہ احراری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت فیض درجت میں ارسال کیے جو آپ کے بلند احوال و کیفیات پر مشتمل ہیں چند مکاتیب مقدسہ آپ نے اپنے صاحبزادگان (حضرت خواجہ محمد صادق، حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف صادر فرمائے۔ ایک مکتوب جہانگیر بادشاہ کے نام تحریر فرمایا، ایک مکتوب (۱۶۷) ہردے رام ہندو کی طرف تحریر فرمایا، دو مکتوب کسی معتقد خاتون (دفتر سوم مکتوب: ۱۷) کی طرف ارسال فرمائے بقیہ مکاتیب معاصر علماء و مشائخ، اعیان سلطنت، اراکین مملکت اور دیگر احباب

ومریدین وعامة المسلمین کی طرف ارقام فرمائے گئے بعض مکتوبات عربی زبان میں تحریر فرمائے مگر زیادہ تر اس وقت کی مروجہ زبان فارسی میں لکھے گئے آپ کا انداز تحریر اور اسلوب بیان نہایت فصیح و بلیغ اور سلیس و شستہ ہے۔ بلا مبالغہ آپ کے مکتوبات شریفہ فارسی ادب کا عظیم شاہکار ہیں۔ مکتوبات شریفہ کی اہمیت کا انداز اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جس نے دین اکبری کے شجرہ خبیثہ کو شیخ و بن سے اکھیڑ پھینکا..... جس نے سیکولرازم اور بے دینی کے طوفان بدتمیزی کے تار و پود کو منتشر کر کے رکھ دیا..... جس نے جدت پسندی اور روشن خیالی کی یورشوں کے اثرات کو زائل کر کے رکھ دیا..... جس نے ایوان سلطنت کو لرزہ بر اندام کر دیا..... جس نے عجمی تصوف کا قلع قمع کر کے حجازی طریقت کا رستہ دکھایا..... جس نے متحدہ قومیت کے بت کو پارہ پارہ کر دیا..... جس نے ملحد صوفیہ اور علماء سو کی سازشوں کو طشت از بام کر دیا..... جس نے شرک و بدعت کا تانا بانا، تار تار کر دیا کہ جسے طوغوتی افکار اور عقل چالاک کبھی بھی رفو نہیں کر سکیں گی۔

بقول خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ غریشیہ

رفو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری ابد تک
کیا ہے دامان شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تو نے

مکتوبات کی فہم و تفہیم کا اہتمام

مکتوبات شریفہ کی مقبولیت و افادیت کے پیش نظر حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی..... حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی..... حضرت مفتی محمد باقر لاہوری..... حضرت ملا محمد امین حافظ آبادی..... حضرت شیخ محمد مراد شامی (ملک شام)..... حضرت میر سعد اللہ بھٹی کوٹی..... حضرت حافظ محسن سیالکوٹی..... قیوم چہارم حضرت خواجہ محمد زبیر..... حضرت شاہ غلام علی دہلوی..... حضرت شاہ احمد سعید مجددی..... اور حضرت

مولانا نصر اللہ ہوتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرین امت نے مکتوبات شریفہ کے درس و تدریس کا اہتمام فرمایا۔

حضرت شاہ احمد سعید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مکتوبات شریفہ کے مغلط مقامات کا حل سالہا سال ان کی خدمت بابرکت میں رہ کر سیکھا اور سنا..... اور ان کے وصال کے بعد تقریباً چالیس برس تک اس کا مطالعہ کیا..... پھر کہیں جا کر ان ادق مقامات کا حل سمجھ میں آیا، از دیگران چہ گوید۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

”فہمیدن تدقیقات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت مشکل است کسی کہ در علوم ظاہریہ ید طولانی داشته باشد و سلوک و مقامات مخصوصہ آنجناب ہم بوجہ لائق نمودہ، البتہ اورا مناسبتہ بہ فہم آن معارف پیدا خواہد شد و الا فلا“

”یعنی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی تدقیقات کو سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ جو شخص علوم ظاہریہ میں ید طولی رکھتا ہو اور آپ کے مقامات مخصوصہ اور سلوک مجددیہ کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، اس میں ان معارف عجیبہ کے فہم کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر وہ معارف عقل و فہم سے بالا ہیں“

(مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی تصانیف لطیفہ میں بیان فرمودہ اسرار و حقائق کو بے نقاب کرنے والے ایسے مرد کامل کی ضرورت تھی جو روح و نفس، عقل و خیال، عالم امر اور عالم خلق کا جامع ہو اور علامہ اقبال مرحوم کی بارگاہ مجددیت میں کی گئی التجاء

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

کی قبولیت بن کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہو۔ چنانچہ ہمارے آقائے ولی نعمت، سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ربع صدی تک مکتوبات شریفہ کے افہام و تفہیم کے لئے درس و تدریس کا اہتمام فرمایا۔ آپ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ اے ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں درس نظامی کے طلباء و علماء کو منتخبات مکتوبات امام ربانی بھی پڑھاتے رہے۔

الہینات شرح مکتوبات

مکتوبات شریفہ کی شرح یقیناً ایک مشکل ترین کام تھا کیونکہ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کیلئے صرف عربی اور فارسی زبان پر عبور اور اصطلاحات تصوف کا جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے لامحدود مکشوفات، حقائق و معارف کو سمجھنے کیلئے اعلیٰ روحانی استعداد کے ساتھ ساتھ بلندی فکر و نظر، قال کے بجائے حال اور علم کسی کے ساتھ ساتھ علم وہی کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا تعلق و ارادت قلبیہ اور مشاہدات ذاتیہ کے ساتھ ہے نیز قلبی واردات و کیفیات اور ذاتی مشاہدات و مکاشفات کا ادراک کر کے ان کو الفاظ کی حسین لڑی میں پرونا اور بھی مشکل کام ہے بحمدہ تعالیٰ اللہ رب العزت نے یہ ساری قابلیتیں و صلاحیتیں آپ کی ذات بابرکات میں ودیعت فرمائی تھیں۔ والحمد للہ علی ذالک

آپ مکتوبات شریفہ میں ادق اور مغلق مقامات بالخصوص علم کلام، حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ اور حقیقت قرآن جیسی مشکل ترین مصطلحات کو اس قدر آسان اور عام فہم انداز میں حل فرماتے کہ علماء و طلباء اور عام سامعین کے قلب و نظر میں جاگزیں کر دیتے.....

البتہ البینات میں انداز تحریر اور اسلوب بیان نہایت فاضلانہ ہے جسے علمائے کرام اور صوفیاء عظام ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(تفصیلات کے لئے صفات لاہولاً غیرۃ البینات شرح مکتوبات جلد دوم مکتوب: ۳۸

البینات شرح مکتوبات مکتوب: ۴ ملاحظہ ہوں۔)

عصر حاضر کے معروف محقق جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور البینات شرح مکتوبات کے متعلق رقمطراز ہیں:

البینات، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دقیق فارسی مکتوبات کی ایسی شرح ہے، جو خوش قسمتی سے اردو زبان میں ہے۔ جب سے پاکستان میں فارسی کو زوال آیا ہے، یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ آپ کے مکتوبات کا یہ ایسا مجموعہ ہے جو بھاری پتھر کی مانند ہے جسے صرف چند علماء ہی اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد سعید احمد مجددی مرحوم کی اس شرح نے اسے خاص و عام کے لئے نہ صرف آسان بنا دیا ہے بلکہ اسے متن اور مفہوم کے اتنا قریب کر دیا ہے کہ صدیوں کا بُعد دور ہو گیا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کا نظریہ توحید

صوفیائے کرام میں سب سے پہلے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) نے تصوف کو باقاعدہ فلسفے کا رنگ دے کر مسئلہ توحید کو ”وحدت الوجود“ کے نام سے متعارف کرایا ہے اور بے شمار اصطلاحات وضع کر کے فلسفیانہ استدلال اور کشف و شہود کے ذریعے اس مسئلے کو ایک مخصوص انداز میں پیش فرمایا۔ ساتھ ہی فارسی شاعری کے دلکش اثرات نے بھی ان تخیلات کو مزید تقویت پہنچائی۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات سے بھی اپنی تاویلات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس امر پر پورا زور صرف فرمایا ہے کہ وحدت الوجود ہی توحید کی اصل حقیقت ہے اور اپنی اس تحقیق پر سابقہ صوفیاء کے کلمات کو بطور استشہاد بھی پیش فرمایا ہے (مثلاً سُبْحَانِي مَا اعْظَمَ شَانِي، اَنَا الْحَقُّ اور لَيْسَ فِي جُبَّتِي اِلَّا اللهُ وَغَيْرَهَا)

حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فلسفے کی تردید کرنے والوں میں حضرت ابوالمکارم رکن الدین، شیخ علاء الدولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ)، علامہ ابن تیمیہ (متولد ۶۶۱، متوفی ۷۲۸ھ) اور مشہور محدث و مورخ امام ذہبی (متوفی ۸۴۸ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے نظریہ وحدت الوجود کے رد میں ایک رسالہ ”فِي اِبْطَالِ وَحْدَةِ

الْوَجُودِ“ لکھا۔ لیکن ابن تیمیہ کی یہ تردید کی جدوجہد شانہ قبل از وقت تھی جس کا مشرقی عالم اسلام پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا اور نظریہ وحدت الوجود کی جڑیں مزید مضبوط ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ وحدت الوجود کا فلسفہ ایک مسلمہ عقیدہ بن کر اسلامی معاشرت میں سرایت کر گیا اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ، شعر و ادب اور فلسفہ و حکمت پر بھی یہ عقیدہ اثر انداز ہو گیا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ بعض اکابر علماء و صوفیاء نے حضرت شیخ اکبر کو سخت اور برے الفاظ سے یاد کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بے شمار علماء و مشائخ نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

قانون قدرت کے مطابق تاریخ اسلام میں ایک عظیم الشان انقلابی واقعہ رونما ہوا کہ عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انہوں نے تمام سلاسل تصوف میں اس بلند آہنگی سے تجدید و اصلاح کا صور پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے درودیوار سے آرہی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی۔ آپ نے مکتوبات شریفہ اور دیگر تالیفات کے ذریعے صرف ایک ہی موقف کا تکرار اور ایک ہی دعوت کا اعادہ فرمایا کہ صوفیاء کو اپنے فکر و استدلال اور کشف و شہود کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھنی چاہئے اور علمائے اہلسنت کے عقائد صحیحہ پر مکمل اعتماد کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک اقتباس ملاحظہ ہو!

از جملہ ضروریات طریق سالک اعتقاد صحیح است کہ علمائے اہل سنت آن را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند۔۔۔۔۔ و اگر بالفرض خلاف آن معانی مفہومہ بکشف و الہام امرے ظاہر شود آن را اعتبار نہ باید کرد و ازان استعاذہ باید نمود (دفتر اول مکتوب: ۲۸۶)

چنانچہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں جب امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم

اسلام کے حالات کا جائزہ لیا تو اس وقت کافی حد تک ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل نظریہ وحدت الوجود کا حقیقی مفہوم ناپید ہو چکا تھا۔ ماسوائے چند محققین اصحاب تصوف کے، متصوفین کی اکثریت توحید و جودی کو اتحاد و عینیت اور احاطہ و معیت ذاتیہ کے غلط مفہیم کا جامہ پہنا چکی تھی اور تصوف پر لحدوں، باطنیوں اور نور بخشیوں نے قبضہ جمالیہ تھا۔ نظریہ وحدت الوجود، یونانی توہمات، ایرانی تخیلات، ہندوانہ نظریات اور دیگر غیر اسلامی اعتقادات کا معجون مرکب بن چکا تھا۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کا یہ تصوف ابتدائی صدیوں کے اسلامی تصوف سے بہت کچھ منحرف و مختلف نظر آ رہا تھا۔ غرضیکہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ وحدت الوجود کے پردہ میں الحاد و حلول کی تعلیم دی جانے لگی تھی۔

توحید و جودی اور توحید شہودی کے درمیان فرق

توحید و جودی اور شہودی کے درمیان فرق کے متعلق چند امور اجمالاً پیش خدمت ہیں تاکہ نفس مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

- توحید و جودی فنا سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔
- توحید شہودی فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔
- توحید و جودی میں سالک ماسوا کی نفی کرتا ہے اور ہر چیز کو وجوب کے عنوان سے دیکھتا اور ہمہ اوست (سب کچھ اللہ ہی ہے) کہتا ہے۔
- توحید شہودی میں سالک مرتبہ حق الیقین تک پہنچ کر صحو اور بقا سے مشرف ہوتا ہے اور ممکن کو ممکن اور واجب کو واجب جانتا ہے۔
- توحید و جودی ایک کو موجود جانتا اور اس کے غیر کو معدوم سمجھتا ہے۔
- توحید شہودی ایک دیکھتا ہے یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی نہ ہو۔

گویا توحید و جودی اور شہودی میں اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے یعنی علم اور عین میں ہوتا ہے لہذا توحید و جودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین اور حق الیقین کے قبیل سے ہے۔ (فافہم و تدبر)

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ توحید و جودی اور شہودی کا بیان اور ان کے درمیان فرق بیان کیا جائے (و بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ)

شیخ اکبر کا نظریہ توحید

توحید کے بارے میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور وہ اللہ ہے اور وہی موجود ہے باقی ہر چیز فقط اس کا مظہر ہے۔ ان کے نزدیک ذات و صفات میں عینیت ہے۔ ان میں جو فرق ہے وہ جوہر اور عرض کے فرق کی طرح ہے عالم اس کی صفات کی محض تجلی ہے۔

اس نظریہ کو ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں واضح فرمایا ہے کہ وجود، وجود مطلق ہے اور مراتب وحدت میں یہ مرتبہ لا تعین ہے۔ وحدت اپنے تعینات یا تنزلات میں پانچ مراتب سے گزرتی ہے جنہیں تنزلات خمسہ یا حضرات خمس کہتے ہیں۔

ذات و صفات

حضرت شیخ اکبر اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، اس کی عین ذات ہیں اور اسماء و صفات آپس میں بھی ایک دوسرے کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسرے کی عین ہیں۔

مقام غیب الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدد، تکثر، تمایز، تباہی نہیں ہے۔

عالم اور خدا

حضرت شیخ اکبر کا مسلک یہ ہے کہ عالم اور خدا میں عینیت کی نسبت ہے۔ اس عینیت کو ظاہر کرنے کے لئے وہ یا تو عالم کی نفی سے ابتداء کرتے ہیں یا خدا کے اثبات سے۔ وجود عالم کی نفی سے ان کی مراد یہ ہے کہ عالم برائے نام، غیر حقیقی اور وہمی وجود ہے جو خارج میں معدوم ہے، موجود صرف خدا ہے۔ عالم یا کثرت کا وجود صرف تجلیات وحدت کی حیثیت سے ہے یا اس کے تعینات کی حیثیت سے، بذات خود عالم کا کوئی وجود نہیں۔ **الْأَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَةَ مِنَ الْوُجُودِ** (فصوص الحکم کلمہ اور یہ) یعنی اعیان ثابتہ (حقائق اشیاء) نے وجود خارجی کی بو تک نہیں سونگھی۔

حضرت امام ربانی کا نظریہء توحید

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارتقائی سلوک کے مدارج کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے اب ہم شیخ اکبر کے نظریہ توحید پر امام ربانی کی تنقید اور مخالفت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہے کہ شیخ اکبر اور امام ربانی دونوں کے بیانات و نظریات استدلال علمی و عقلی کے علاوہ کشف و شہود کے اصولوں پر مبنی ہیں، فرق صرف استدلال اور کشف کی صحت اور عدم صحت کا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قبل ازیں حضرت امام ربانی، ارتقائے سلوک میں خود وحدت الوجود کے مقام سے گزر چکے تھے اور مرتبہء وحدت الوجود ایک روحانی و کشفی ادراک کی حیثیت سے آپ کیلئے متحقق ہو چکا تھا۔ آپ اس کو وجودیت کا ابتدائی

مرتبہ سمجھتے تھے، مقام ظلیت میں پہنچ کر بھی آپ نے وہاں قرار نہ پکڑا، اگر آپ نے تسکین پائی تو مقام عبدیت میں پائی۔ چنانچہ آپ پر حق الیقین کے طور پر واضح ہو گیا کہ وحدت الوجود ایک متوسط اور عبوری مقام ہے، تو آپ نے ایک عارفِ کامل اور صاحبِ کشف و اجتہاد کی حیثیت سے شیخ اکبر اور دوسرے صوفیائے وجودیہ کے اس نظریہ پر نقد و نظر کا آغاز فرمایا اور اس کشف و شہود کو جس پر توحید و جود کی بنیاد رکھی گئی تھی، سکر یہ اقوال و احوال قرار دے کر توحیدِ خالص کا وہ قرآنی نظریہ پیش فرمایا جو وحدت الوجود سے یکسر متضاد تھا اور جس کی تعبیر آپ نے وحدت الشہود سے فرمائی اور اسی نظریہ توحید کو آپ نے وحی الہی کا ماخذ اور توحید کا اصلی اسلامی تصور قرار دیا۔ آپ کی اس کشفی اور استدلالی تخلیق و تحقیق نے عجمی تصوف کا رخ اسلامی تصوف کی طرف موڑ دیا اور عالم اسلام میں ایک زبردست فکری، کشفی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کا پیش کردہ نظریہ وحدت الشہود آپ کی زندگی میں ہی عالم اسلام کی اکثریت نے قبول کر لیا تھا اور آپ کے بعد اہل تصوف میں آج تک کوئی بھی قابل ذکر آواز اس نظریہ کے خلاف نہیں اٹھی، گو دوسرے سلاسل کے بعض متصوفین وحدت الوجود پر قائم رہے لیکن حضرت امام ربانی کی تردید یا تغلیط کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ کیونکہ آپ کے استدلالات علمی و کشفی مبنی بر کتاب و سنت ہیں اور علمائے اہل سنت کے اعتقادات صحیحہ کے عین مطابق ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک

ذات و صفات

شیخ اکبر کے نزدیک ذات اور صفات میں عینیت ہے۔ امام ربانی فرماتے ہیں کہ اگر ذات و صفات عین یک دیگر ہیں اور اگر عالم تجلی صفات ہے تو ان دونوں قضیوں کا لازمی نتیجہ وحدت الوجود ہے حالانکہ دونوں قضیے غلط ہیں پہلا قضیہ اس لئے غلط ہے کہ

صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہیں۔ متکلمین ماترید یہ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت امام ربانی ان کے ہمنوا ہیں کیونکہ یہ صفات کمالات ذاتیہ کے علاوہ زائد بر ذات متصور ہوئی ہیں۔ پس یہ صفات اضافی ہیں اور تخلیق عالم کی نسبت وجود میں آئی ہیں۔ یہ امر کشف صحیح سے معلوم ہوا ہے اور وحی کے مطابق بھی یہی حق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ۲۹:۶) یعنی اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (دفتر سوم مکتوب: ۲۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴)

پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کامل ہے اس کی ذات، صفات سے تکمیل نہیں پاتی کیونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے موجود، حی، قیوم، قدیر، علیم، بصیر، سمیع، کلیم اور مکون ہے۔ آپ کے نزدیک عالم، ظل صفات ہے اور صفات ظل ذات۔ تعینات یا تنزلات کے قول سے آپ احتراز کرتے ہیں کیونکہ اس سے عینیت کا احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عقل صحیح کا مقتضی بھی یہی ہے کہ صفات، ذات کے علاوہ ہوں۔ (فافہم)

دوسرا قضیہ اس لئے غلط ہے کہ عالم تجلی صفات نہیں بلکہ ظل صفات ہے کیونکہ اگر عالم تجلی صفات ہوتا تو وہ عین صفات ہوتا حالانکہ صفات کامل ہیں اور عالم نقص سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً خدا کی صفت علم کی کوئی مماثلت انسان کی صفت علم سے نہیں کہ ایک کو دوسرے کی تجلی کہا جاسکے نیز امام ربانی کے نزدیک یہ بھی کشف صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ عالم تجلی صفات نہیں بلکہ ظل صفات ہے۔ علاوہ ازیں وحی خداوندی بھی اسی کشف کی صحت کی خبر دیتی ہے۔ مثلاً سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (الصافات ۱۸۰:۱) یعنی پاک ہے تیرا رب ان صفات سے جن سے وہ اس کی صفت و ثناء کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صفات انسانی اور صفات خداوندی میں کوئی مماثلت نہیں۔

(دفتر دوم مکتوب: ۱، دفتر سوم مکتوب: ۱۱۰)

عالم اور خدا

حضرت شیخ اکبر عالم اور خدا میں عینیت ثابت کرتے ہیں جب کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خارج میں حقیقی وجود صرف ذات خدا کا ہے اور عالم کو وجود خارجی عطا ہوا ہے اور یہ وجود، نمود بے بود، سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی بھی نہیں جو ہمارے وہم و تخیل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ موجود ہے۔ اس کی مثال شعلہ جو الہ کی طرح ہے جیسے ایک لکڑی کے سرے کو آگ لگا دیں پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں، رات کے وقت دور سے دیکھنے والے کو آگ کا ایک دائرہ نظر آئیگا۔ اب اگر اس دائرہ (نمود) کو کسی طریقے سے مستقل اور فی نفسہ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا۔ (دفتر سوم مکتوب: ۵۸)

عالم اور خدا کے مابین عینیت ثابت کرنا، اسی قسم کی غلطی ہے جیسے کوئی صاحب کمال اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے کیلئے ایسے حروف اور آوازیں ایجاد کرے جو اس کے کمالات پر دلیل ہوں اس پر کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ حروف اور یہ آوازیں اس موجد کا عین ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۱)

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ عالم اور خدا کے مابین اس کے سواء اور کوئی نسبت نہیں کہ خدا خالق ہے اور عالم مخلوق ہے اور خالق کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔

تنزیہ و تشبیہ

شیخ اکبر تنزیہ و تشبیہ دونوں سے توحید کا اثبات کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ
فصوص الحکم کلمہ نوحیہ میں رقم طراز ہیں:

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیدا وان قلت بالتشبیہ کنت محیدا

وان قلت بالامرین کنت مسددا و کنت اماما فی المعارف وسیدا
 تزییہہ کا معنی ہے ”پاک کرنا“ علم کلام کی اصطلاح میں یہ لفظ اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے
 کہ خدا کی ذات میں مخلوق کی صفات کا اثبات نہیں کیا جاسکتا۔ تشبیہ کا معنی ہے ”مشابہت
 دینا“ علم کلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا تشبیہ ہے۔ شیخ
 اکبر کے نزدیک تزییہہ محض یا تشبیہہ مطلق سے خدا کی ذات میں تقید پیدا ہو جاتا ہے۔
 حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ **الْأَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَةَ
 مِنَ الْوُجُودِ** (فصوص الحکم کلمہ ادبیہ)

”یعنی اعیان خارجی نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی“ تو پھر تزییہہ کرنے میں
 تحدید و تقید کیوں پیدا ہو سکتا ہے؟ خدا تو موجود ہے اور عالم موہوم، اور متخیل محض اور نفس
 الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحدید و تقید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب
 ہوگا کہ موجود کی تحدید موہوم سے ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ
 دے کہ خدا کا وحدہ لا شریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیل کیا
 جاسکتا ہے۔ (دفتر سوم مکتوب: ۷۴)

دوسرے یہ کہ اگر تزییہہ و تشبیہہ کو ملایا جائے تو ماسوی اللہ باقی نہیں رہتا۔ ارشاد
**قُرْآنِی قُلْ یَا أَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا
 نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ
 دُوْنِ اللّٰهِ** (آل عمران ۳: ۶۴) سے ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ وجود رکھتا ہے (اور ماسوی
 اللہ کی عبادت شرک ہے)۔

تیسرے یہ کہ جو لوگ تزییہہ کے ساتھ تشبیہہ کو ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ
 ذات ہمارے عقل و ادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہہ خیال کرتے ہیں وہ ان
 کے وہم و تخیل کے تراشے ہوئے بت ہیں، جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کر لیا

ہے۔ وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف و شہود میں آسکے.....

(دفتر سوم مکتوب: ۹)

نیز حضرت امام ربانی فرماتے ہیں:

دعوت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیٰت بہ تنزیہہ صرف است و کتب سماوی ناطق بہ ایمان تنزیہی است۔۔۔۔۔ بیچ شنیدہ کہ پیغمبرے دعوت بایمان تشبیہ نموده است و خلق را ظہور خالق گفتم (دفتر اول مکتوب: ۲۷۲) (یعنی) تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے (توحید کے بارے میں) تنزیہہ صرف کی دعوت دی ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی پر ناطق ہیں..... آج تک کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر ﷺ نے لوگوں کو توحید تشبیہی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور قرار دیا ہو۔

اصل اور ظل

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کی بنیاد اصل اور ظل کی عینیت پر رکھی ہے۔ (جیسا کہ حضرت ابن عربی نے فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ میں بیان فرمایا وَأَعْيَانُنَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ ظِلُّهُ لَا غَيْرُوه) حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظل شئی، عین شئی نہیں ہو سکتا۔ ظل تو اصل کے مشاہد و مماثل ہوتا ہے۔ خدا اور عالم کی نسبت کے باب میں اگر اصل اور ظل کی نسبت پر قیاس کیا جائے تو ظل ممکن ہے اور اصل واجب..... ممکن کی حقیقت عدم ہے اور واجب کی حقیقت وجود، پس اصل اور ظل کو عین یک دیگر نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص دراز ہو گیا۔ اول تو عالم خدا کا ظل ہی نہیں اور اگر عالم کو خدا کا ظل مان بھی لیا جائے تو عینیت متحقق نہیں ہوتی۔

(دفتر اول مکتوب: ۲۹۰، دفتر اول مکتوب: ۱۶۰)

اصل اور ظل کا معنی ہیں ”شئی اور اس کا سایہ“۔ حضرت شیخ اکبر نے اس کو نمود کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ظل، انعکاس یا پرتو کی حیثیت سے بھی متصور ہوتا ہے جو قریباً تجلی یا ظہور کا مترادف ہے۔ حضرت امام ربانی کے نزدیک ابتداء اس کے معنی سائے کے ہیں جو شئی سے مشابہت رکھتا ہے لیکن جوں جوں وہ ترقی کرتا جاتا ہے ظل کی حیثیت محض سایہ کی ہوتی جاتی ہے اور یہ لفظ کم حیثیت اور نمود بے بود ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ انجام کار ظل کے معنی صرف نتیجہ کے رہ جاتے ہیں۔

انسان اور خدا

حضرت امام ربانی کے نزدیک حدیث خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ (صحیح البخاری، باب بدء السلام، رقم الحدیث: ۵۸۷۳) کی جو تاویل شیخ اکبر نے کی ہے وہ بھی غلط ہے۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ صفات خالق مجسم ہو گئیں اور انسان کی صورت اختیار کر لی ہے بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا اور روح انسانی دونوں لامکانی ہیں اور اس حیثیت سے وہ ایک دوسرے کے مماثل ہیں (دفتر اول مکتوب: ۲۸۷)۔ ورنہ خدا اور انسان میں تو بڑا فرق ہے اور وہ اس طرح کا فرق ہے جیسے ایک مٹری میں جو جالاتے اور ایک ایسے وجود میں، جس کی ایک پھونک سے سارا نظام زمین و آسمان درہم برہم ہو جائے، انسان اور خدا تو عین یک دیگر ہو ہی نہیں سکتے۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۱۰)

امام ربانی کے نزدیک انسان روح سے عبارت ہے اور روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ لہذا اس کے وجود کی نوعیت خلق سے مختلف ہے لیکن وہ کسی دوسری ہستی سے متفرع نہیں۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل: ۸۵)

حضرت شیخ اکبر نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی تاویل میں جو اپنے نفس کی معرفت کو خدا کی معرفت قرار دیا ہے (فصوص الحکم کلمہ ابراہیمیہ) اس کے معنی

یہ نہیں کہ انسان اور خدا عین یک دیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنی فطرت کے نقائص اور عیوب کو محسوس کر لیتا ہے وہ (اس حقیقت کو) پالیتا ہے کہ فضائل اور کمالات صرف خدا کی ذات میں ہیں اور اسی کے فضل سے ہم میں پیدا ہو سکتے ہیں وہی فضائل اور کمالات کا مستجمع اور سرچشمہ ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ معیت، قرب، سریان اور احاطہ کی حقیقتیں ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں اور ذات حق تعالیٰ وراء الوراہ ثم وراء الوراہ ہے۔ گو ایک مقام پر آپ کا رجحان صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ان عنوانات سے مراد قرب و احاطہ ذاتی نہیں بلکہ قرب و احاطہ علمی مراد ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور جن لوگوں نے قرب و احاطہ ذاتی مراد لیا ہے وہ غلبہ حال اور سکروقت پر مبنی ہے۔ وہ سالک جو مقام صحو سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں ان علوم سے بیزار ہو جاتے ہیں حضرت امام ربانی کو بھی اثنائے سلوک میں یہ سکری احوال و معارف حاصل ہوئے تھے لیکن آخر کار وہ ان معارف سے گزر گئے۔

حضرت امام ربانی نے کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ توحید کو اس جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اس کے مقابلے میں نظریہ وحدت الوجود صرف نظری اور فکری بحثوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے بعد کوئی ایسا بلند پرواز صوفی اور عارف آج تک پیدا نہیں ہوا جس نے اس مسئلہ کا کشفی اور شہودی بنیادوں پر کوئی قابل ذکر حل پیش کیا ہو۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ کچھ صوفی اپنے تصلب کی بناء پر نظریہ توحید و جودی پر جوں کے توں قائم رہے۔ لیکن عالم اسلام کی اکثریت نے آپ کی انہی تجدیدی خدمات کے پیش نظر آپ کو الف ثانی کا مجدد تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اظہار اختلاف کے کوئی عالم اور صوفی آپ کے دلائل علمیہ اور حقائق کشفیہ کا

سامنا نہیں کر سکا اور بقول علامہ اقبال مرحوم

ع تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی کے بعد پہلا شخص جس نے اس بحث پر تقریر کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں جو حضرت امام ربانی کے قریباً ایک صدی بعد ہوئے۔ شاہ ولی اللہ ایک بڑے سرکردہ صوفی، عالم دین اور صاحب باطن شمار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے قریباً ۱۱۳۲ھ میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ”فیصلہ وحدت الوجود والشہود“ ہے۔ اس رسالہ میں جو مکتوب مدنی کے نام سے مشہور ہے، شاہ صاحب نے حضرت ابن عربی اور حضرت امام ربانی کے نظریہء توحید میں تطبیق ثابت کی ہے۔ یعنی یہ بتایا کہ حقیقتاً ان دونوں بزرگوں کے خیالات میں کوئی فرق نہیں اور ان کا نزاع فی الواقع نزاع لفظی ہے۔ اس تطبیق کی ابتداء شاہ صاحب نے اس دعویٰ سے کی ہے کہ مجھے تطبیق کا علم عطا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے بیان سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ یہ تقریر بر بنائے کشف و شہود نہیں کر رہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عربی اور حضرت امام ربانی کے بیانات کو سامنے رکھ کر ایک حکم کی حیثیت سے تقریر کر رہا ہوں اور یہ میری تقریر ان دونوں بزرگوں کے بیانات کی فقط توجیہ ہے۔ شاہ صاحب کی سعی تطبیق سے بہت بڑی بحث پیدا ہو گئی جو مدت تک جاری رہی۔ بہر حال حضرت امام ربانی کے نظریہ توحید شہودی کے اکثر قائلین نے آج تک شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کو تسلیم نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کا نظریہ تطبیق

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ذوق صحیح سے ادراک ہوتا ہے کہ وجود ایک

شئی ہے، قائم بنفسہ اور مُقَوِّمٌ لِغَيْرِهِ، یہ وجود مُنَبِّسُط ہے جو صور موجودات اختیار کر لیتا ہے اور اس وجود میں تنزلات واقع ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں وجود مُنَبِّسُط محسوس اور معقول میں مشترک ہے، یہی وہ مفہوم ہے جس کی بناء پر وہ معدوم کا غیر ہے۔ (فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۲۳) وہ وجود لا بشرط شئی ہے، وہ ہیولی ہے۔ تمام موجودات کا دوسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط لا ہے۔ جیسے انسان اور فرس اور تیسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط شئی ہے جیسے ارسلو، اور یہی وحدت وجود ہے۔ (فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۷)

اور جس چیز کا نام وحدت شہود ہے وہ یہ ہے کہ اسماء و شیون منعکس ہو گئے ہیں اعدام متقابلہ میں اور اس طرح ممکن وجود میں آ گیا لیکن استعارے اور تشبیہ سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اس کے معنی فقط یہ نکلتے ہیں کہ واجب کامل ہے اور ممکن ناقص اور ضعیف و بے حقیقت اور یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ علم میں متمیز ہو گئے ہیں یا یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء و صفات ہیں جو اعدام متقابلہ میں مُنَطَبِع ہو گئے ہیں بعینہ ایک ہی بات ہے۔ ان میں اگر کچھ فرق ہے بھی تو وہ اتنا کم ہے کہ صاحبان تَفَحُّص اے خاطر میں نہیں لاتے، پس شیخ مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود میں تباہی ہے فقط تسامح ہے۔ ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو شیخ مجدد کا ہے۔ وحدت وجود اور وحدت شہود میں محض نزاع لفظی ہے۔

(فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۲۹)

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے دونوں نظریات میں تطبیق اس دور کے حالات کے پیش نظر فرمائی ہوتا کہ مسلمانوں میں وحدت فکری کا رجحان بیدار ہو سکے۔
(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ میر ناصر عندلیب نے اپنی کتاب نالہ عندلیب (۱۱۵۳ھ) میں فرمایا ہے کہ وحدت شہود قرین صواب ہے۔ گو کیفیت و حال کے اعتبار سے دونوں کا منشاء ایک ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے نزدیک جب وحدت الوجود کا نظریہ ہی غلط ہے تو وہ تطبیق کا تصور بھی نہیں مانتے۔

حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ

اس تقریر کی توضیح مزید ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ میر درد نے پہلے اپنی کتاب ”واردات درد“ کی شرح میں لکھی۔ واضح ہو کہ ان دونوں بزرگوں کی تقریر کشف و شہود پر مبنی ہے اور خواجہ میر درد اپنی کتابوں کو لفظ بلفظ الہامی فرماتے ہیں۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ وحدت وجود کے صحیح معنی فقط یہ ہیں کہ موجود بالذات صرف وہی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ واجب اور ممکن کی ماہیت ایک ہے اور عبد اور معبود ایک دوسرے کا عین ہیں یا خدا کی طبعی کی طرح اپنے افراد میں موجود ہے کہ یہ سراسر زندقہ ہے اور اس معنی میں وحدت وجود کا عقیدہ اکابر صوفیاء کے ٹھیک مفہوم کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ مذہب میں توحید و جود کی بایں معنی کوئی اہمیت نہیں کہ وجود، موجودات میں ساری ہے کیونکہ ”کثرت میں وحدت“ جو عوام کی زبان پر ہے اور ہر ہندو جوگی اس پر گفتگو کرتا ہے اس کے لئے ایمان کوئی شرط نہیں۔ وہ تو بالکل ایک متبذل مسئلہ ہے۔ ذرا سا سمجھا دینے سے سمجھ میں آجاتا ہے ایسا عقیدہ انبیاء کی بعثت کا مقصود نہیں ہو سکتا۔

(علم الکتاب: ۳۶۵)

دوسرا مسئلہ وحدت شہود ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب کے بغیر موجودات ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا اور جملہ موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود

ہیں۔ اکثر ناواقف جو شیخ مجدد کے کلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے، اپنے گمان میں انہیں ظل کا قائل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ رائے محض وسطیٰ سلوک میں تھی، اکثر صوفیائے خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارفِ کامل سمجھتے ہیں شیخ مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں اثنیت اور ”ہم از دست“ کا بیان ہے خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے اور کیونکہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے اور وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کُلُّ مَنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے مطابق ”ہم از دست“ کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے۔ اس لئے ”ہم از دست“ غلط ہے اور ”ہم از دست“ صحیح۔

(علم الکتاب: ۱۸۷ تا ۱۸۴)

اگرچہ کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصود ایک ہی ہے یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔ پس اگر کوئی ان دونوں کیفیات میں سے کسی ایک سے یادوں سے مشرف ہو جائے تو ایک ہی بات ہے۔ وحدت وجود اور وحدت شہود دونوں مسائل بعد میں پیدا ہوئے ہیں، بعض صوفیوں نے وحدت وجود کو قرآن و احادیث کی تاویلات سے ثابت کیا جبکہ نظریہ وحدت شہود صریح آیات قرآنیہ و صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اکثر صوفیائے وجودیہ اپنے عقل و وجدان کے تابع ہیں اور بمرتبہ اولیٰ اپنی تحقیق پر اعتماد رکھتے ہیں اور فقط بمرتبہ ثانی نقل کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی کمزوری تبعیت کرتے ہیں اور آیات و احادیث کو اپنے مذاق کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ گویا حقیقت میں شریعت سے انہیں کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ اپنی عقل و وجدان سے معلوم ہوا وہ ان کے نزدیک ثابت ہوا۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کا یہ اتباع بذات خود ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خیال میں گمان رکھتے ہیں کہ ہم نفس واقعہ کا ادراک کر رہے ہیں اور ہمارا مقصود اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ فی الواقعہ ممکن عین

واجب ہے یا اس کا غیر اور مخلوق عین خالق ہے یا اس کا غیر اور اس امر کے سمجھنے میں ان کی اپنی عقل ان کا مقتداء ہے اور وہ دلائل عقلی سے اپنی راہ چلتے ہیں اور ایمان کو بہ تکلف اپنے ساتھ گھسیٹے چلے جاتے ہیں۔

لیکن صوفیائے شہود یہ بیشتر بمرتبہ اولی تابع شرع ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ فقط بمرتبہ ثانی شرع کے ضمن میں جس قدر اپنی عقل کو دخل دے سکتے ہیں، دیتے ہیں۔ گویا درحقیقت انہیں عقل سے کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ خدا اور رسول ﷺ نے فرما دیا ہے وہی ان کے نزدیک متحقق ہے۔ وہ دل میں بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ جس چیز کی خبر خدا اور رسول ﷺ نے دی ہے امر واقعہ وہی ہے اور ہمارا کام یہ نہیں کہ تحقیق کریں کہ واجب اور ممکن ایک دوسرے کے عین ہیں یا غیر۔ یہ لوگ نور ایمان میں اپنا راستہ طے کرتے ہیں اور عقل کو بتکلف اپنے ساتھ گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔

پس ہمیں توحید محمدی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ خدا قدیم اور موجود بالذات ہے، وہ موجودات سے خارج میں ہے اور وجود کلی طبعی کی طرح ان کے ضمن میں موجود نہیں۔ حق یہ ہے کہ وجود باری بنفس خود قائم ہے مع اپنی صفات کے جو اس کے کمالات ہیں اور موجودات ممکنہ کے پیدا ہونے سے ان کی ذات میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا نہ ان کے نابود ہونے سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ **كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ إِلَّا نَ كَمَا كَانَ** (علم الکتاب: ۱۸۶)

حضرت علامہ محمد یوسف بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۶۲ھ میں علامہ میر محمد یوسف بلگرامی نے ”الْفَرْعُ النَّهَائِيَّةُ مِنْ أَصْلِ

الثَّابِتِ“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مسئلہ وحدت وجود اور وحدت شہود پر گفتگو کی ہے۔ علامہ موصوف اپنی تقریر کی بناء قرآن اور حدیث پر رکھتے ہیں اور وحدت وجود کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا شہود، جس کے صوفیاء وجودیہ مدعی ہیں اسلام کی رو سے اس زندگی میں محال ہے۔ یہ رسالہ دونوں مسلکوں کے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونے پر ایک سیر حاصل بحث اور تبصرہ ہے۔ بہر کیف اگرچہ رسالہ نہایت عالمانہ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی اس رسالہ کا ایک ہی نسخہ موجود ہے جو مصنف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے ”سبحان اللہ“ سیکشن میں محفوظ ہے۔ (ایضاً ص: ۲۰۹ تا ۲۱۰)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کے مخالفین میں حضرت مرزا مظہر کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری آپ کے مرید خاص تھے اور آپ ہی کے نام سے اپنی تفسیر بھی منسوب کی ہے۔ مرزا مظہر تین واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ربانی اور صوفی شمار ہوتے تھے آپ اپنے دور میں سلوک مجددیہ کے سب سے بڑے داعی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ انہیں قیم طریقہ احمدیہ لکھا کرتے تھے۔

حضرت علامہ غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام یحییٰ (متوفی ۱۱۹۵ھ) علوم عقلیہ و دینیہ کے فاضل تھے۔ پہلے لکھنؤ میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ فلسفی اور محقق تھے۔ فلسفہ کی کتابوں کی بہت سے شرحیں اور حاشیے مرتب فرمائے۔ آخر کار فلسفہ سے دست بردار ہو کر راہ سلوک اختیار کی اور مرزا

مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ ہی کے ایماء پر علامہ غلام یحییٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کی تردید پر قلم اٹھایا اور ۱۱۸۳ھ میں رسالہ ”کلمۃ الحق“ لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود حقیقتِ اشیاء اور حادث و قدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، سراسر غلط ہے۔ ان دونوں مسئلوں کے درمیان تو کوئی تطابق کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ وحدت وجود کی بناء عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت تامہ ہے۔

اولاً..... یہ کہ حقائقِ اشیاء وجودیوں کے نزدیک اعیانِ ثابتہ یعنی اسماء و صفات کے تعینات ہیں اور وحدت شہود کی رو سے جو شیخ مجدد کا مذہب ہے حقائقِ ممکنات عکس ہیں اسماء و صفات کے جو ان کے اعدام متقابلہ میں مُنتَبِع ہو گئے ہیں۔ ان دونوں مذہبوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے کے اعتبار سے ممکنات اسماء و صفات کے عین ہیں۔ دوسرے کے اعتبار سے وہ اسماء و صفات کے غیر ہیں کیونکہ وہ ظل ہیں اسماء و صفات کے اور ظل اصل کا عین نہیں ہوتا۔

ثانیاً..... یہ کہ شاہ ولی اللہ کا کہنا کہ اس باب میں شیخ مجدد کو تسامح ہو ایہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ شیخ مجدد کو واجب اور ممکن کی غیریت پر اصرار بلیغ ہے۔ ان کی عینیت کو وہ الحاد و زندقہ سمجھتے ہیں اور اس اصرار سے ان کے مکتوبات بھرے پڑے ہیں۔

ثالثاً..... یہ کہ وحدت وجود کی رو سے خدا کی ذات میں تغیر واقع ہوتا ہے اور وہی ذات بصورتِ تعینات عالم بن جاتی ہے اور وحدت شہود کی رو سے عالم کی تخلیق سے خدا کی ذات میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور وہ بحال خود موجود رہتا ہے۔ ان دونوں مذہبوں میں اتنا بڑا فرق ہے کہ نہ تو ایک کو دوسرے پر محمول کیا جاسکتا ہے اور نہ ان

دونوں میں کوئی مطابقت ممکن ہے۔ علاوہ ازیں مولانا غلام یحییٰ کی تقریر سے متبادر ہوتا ہے کہ انہیں شاہ ولی اللہ پر یہ اعتراض بھی ہے کہ چونکہ وہ وحدت شہود کے متعلق بر بنائے کشف تقریر نہیں کر رہے لہذا انہیں حق نہیں کہ وہ وحدت شہود سے انکار کریں یا اس کی نسبت کہیں کہ وہ درحقیقت وحدت وجود ہی ہے۔ اس کی تائید ان کے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کلمۃ الحق کی تقریظ کے طور پر لکھا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تیرہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ غلام علی دہلوی جو حضرت مرزا مظہر کے جانشین تھے، آپ نے فرمایا وحدت وجود اور وحدت شہود کشف کے دو جدا جدا مقام ہیں۔ جو اہل سلوک ان مقامات سے گزرے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی تطبیق محال ہے یعنی شاہ غلام علی کے نزدیک بھی شاہ ولی اللہ مقام وحدت وجود سے آگے نہیں بڑھے اور مقام وحدت شہود تک نہیں پہنچے۔ اس لئے ان کا نظریہ تطبیق حقیقت کے خلاف ہے۔
(مقامات مظہری)

مختلف آراء

حضرت مولانا غلام یحییٰ کے جواب میں شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی نے ”دفع الباطل“ اور ان کے پوتے اسماعیل دہلوی نے ”عبقات“ لکھی لیکن ان دونوں کتابوں کی تقریریں کشف و شہود پر مبنی نہیں بلکہ محض حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کی حمایت پر مشتمل ہیں۔

بعد میں شاہ اسماعیل دہلوی نظریہ وحدت الوجود کے خلاف ہو گئے تھے اور سید

احمد بریلوی کے گروہ میں شامل ہو کر نظریہ وحدت الشہود کے قائل ہو گئے تھے۔ سید احمد بریلوی تو نظریہ وحدت الوجود کو ملحدین و جود یہ کی بدعت سے تعبیر کرتے تھے۔ انہوں نے بھی نظریہ وحدت الشہود کو کشف و شہود کی بناء پر صحیح قرار دیا ہے۔ (صراط مستقیم)

علامہ فضل حق خیر آبادی جو اپنے وقت میں فلسفہ کے امام شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کی تائید میں ایک رسالہ ”روض المجود“ لکھا۔ ان کے علاوہ علامہ عبدالعلی لکھنوی نے بھی وحدت الوجود کی حمایت میں ایک رسالہ ”وحدت الوجود“ لکھا۔ چونکہ دونوں حضرات کی تقریریں کشف و شہود سے خالی اور خالص فلسفیانہ ہیں اس لئے وہ بھی خارج از بحث ہیں۔ علامہ عبدالعلی لکھنوی کے رسالہ ”وحدت الوجود“ کا حاشیہ اور خاتمہ نبیرہ امام ربانی حضرت زید ابوالحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہء تطبیق کو ناقابل تسلیم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

کجا اثبات یک وجود واجبی لا غیر و کجا اثبات دیگر وجود امکانی، کجا قول ہمہ اوست کہ مقام جمع است و کجا گفتار ہمہ ازوست کہ مقام فرق است

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال حضرت امام ربانی کے نظریہ توحید شہودی سے بے حد متاثر تھے۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے تصور خودی کی بنیاد حضرت امام ربانی کے تصور وحدت الشہود پر رکھی ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اپنے انگریزی خطبات میں تصور وحدت الشہود کی تعریف میں لکھتے ہیں:

”سترہویں صدی کا ایک گران قدر مفکر..... شیخ احمد سرہندی، ہم عصر تصوف پر

جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک (نظریہ وحدت الشہود) کو جنم دیا۔ صوفیاء کے مختلف سلاسل طریقت جو سنٹرل ایشیاء اور عرب سے ہندوستان آئے ان میں صرف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی حدود و ثغور کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے۔

ڈاکٹر قاسم السامرائی

کتاب ”سیرت مجدد الف ثانی“ کے مؤلف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی) لکھتے ہیں۔

حال ہی میں لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے فاضل ڈاکٹر السامرائی نے ایک تنقیدی مقالہ نظر ثانی کے لئے راقم کو ارسال فرمایا ہے۔ ڈاکٹر قاسم نے تصور وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود کو ایک ہی حقیقت کی دو مختلف مصطلحات قرار دینے سے اختلاف کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں نظریات اپنی علیحدہ قدر و قیمت رکھتے ہیں ان دونوں میں صرف لفظی اختلاف نہیں بلکہ معنوی اختلاف بھی ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ توحید شہودی کو اصل توحید اور عین الیقین و حق الیقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے انقطاع فنا اور نسیان کے بغیر میسر نہیں آتا اور سالک کے لئے فنا (نسیان ماسوی اللہ) ایک ضروری امر ہے اور توحید شہودی کا مرتبہ فنا و نسیان قطع علاق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور یہی عین الیقین کا مرتبہ ہے۔ لیکن توحید و جودی اس راہ کی ضروریات سے نہیں ہے کیونکہ توحید و جودی علم الیقین کے مرتبے میں ہے اور علم الیقین نہ صرف علمائے ظواہر بلکہ عامۃ الناس کو بھی میسر ہے۔ نیز توحید و جودی معارف قلبیہ کے وقت حاصل ہوتی ہے اور توحید شہودی فنائے نفس کے معارف سے ہے۔ (فافہم)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض مشائخ کے بظاہر خلاف شرع اقوال کو توحید و جودى سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ابن منصور الحلاج اور سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہما جیسے بزرگوں کا مرتبہ و مقام علم الیقین سے بہت بلند ہے جو کہ توحید و جودى کا ایک درجہ ہے کیونکہ یہ بزرگ دراصل عین الیقین کے مرتبے پر فائز تھے جو کہ توحید شہودی کا مقام ہے۔ اس قسم کے اقوال ان سے صادر ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان پر عالم و جوب کی تجلیات چمکتی ہیں اور ماسوی اللہ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو اس حال کے غلبے کی بناء پر ان کی زبان سے بلا اختیار اس قسم کے الفاظ صادر ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقہ الحال) (دفتر اول مکتوب: ۲۳)

لیکن واضح رہے کہ جب اکابر مشائخ اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مرتبے تک پہنچتے ہیں تو حدید البصر (تیز بین) ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت یہ اکابر توحید شہودی سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جو کہ عقل اور شرع دونوں کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ بخلاف توحید و جودى کے کیونکہ توحید و جودى میں عقل و شرع دونوں میں تضاد اور مخالفت قائم رہتی ہے۔ لہذا دانش اور شعور کا یہی تقاضا ہے کہ عقل و شرع کی باہمی مخالفت کو دور کر دیا جائے۔ اسی مکتوب گرامی (دفتر اول مکتوب: ۲۳) کی اگلی سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے زمانے کے ان صوفیوں کی مذمت فرمائی ہے جو توحید و جودى کو عام کرنے میں مصروف رہتے تھے اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں بند تھے اور مشائخ کبار کے اقوال کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالتے اور معانی متخیلہ مراد لیتے تھے اور اپنے آپ کو معتدائے زمانہ تصور کرتے تھے نہ وہ صاحب حال تھے نہ صاحب مقام۔ لیکن سلطان بایزید بسطامی جیسے اکابر مشائخ کے سکر یہ کلمات کو سند بنا کر اپنے بے رونق بازار کو بارونق بنانے کی فکر

میں رہتے۔ وہ توحید و جود کی کے اسرار و معانی سے بھی قطعاً نا بلدا اور بے خبر تھے۔
 افسوس کہ آج کل کے اکثر گندم نما جو فروش صوفی بھی اسی طرح کے باطل
 خیالات میں گرفتار ہیں اور نا فہمی کی بناء پر صوفیائے کرام کے درمیان تعصب کی فضا
 قائم کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ (اعاذنا اللہ من شرورہم)
 امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض گزشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی
 عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحید و جود کی ظاہر
 ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہئے کہ انہوں نے ابتداء میں علم الیقین
 کے مقام میں اس قسم کے الفاظ فرمائے ہیں اور آخر کار ان کو اس مقام سے ترقی دے کر
 عین الیقین تک لے گئے ہیں۔

نصو ر وحدت الوجود اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اس طرح
 تشریح و تنقیح فرمائی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں تصورات میں تضاد
 نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے میں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے دفتر اول
 مکتوب: ۳۳ کی ابتداء میں تصریح فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی تعلیمات سے یہ
 اخذ ہوتا ہے کہ تصور وحدت الوجود احوال طریقت میں سے ایک حال ہے اور مقامات
 توحید میں سے ایک مقام ہے۔ یہ آخری منزل نہیں بلکہ اس سے بلند تر بھی ایک مقام
 ہے جس کو توحید شہودی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارباب توحید و جود کی
 تصورات و مکاشفات کی اس خوبی سے تاویل فرمائی ہے کہ جس سے ان کی تنقیصِ شان
 کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین صوفیائے وجودیہ کے جن اقوال
 پر مخالفین نے کفر و شرک کے فتوے صادر کئے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ان

اقوال کو منزل فنا، سکر وقت اور غلبہ بحال پر محمول کر کے مخالفانہ خردہ گیری سے بچایا ہے۔ یہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ امتیاز ہے جس سے صوفیائے وجودیہ کے مؤیدین بھی سرفراز نہیں ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ متصوفہ گرامی میں جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصود یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جل و علا متحد ہو گئے ہیں، تزییہہ سے تنزل کر کے تشبیہہ پر آگئے ہیں، واجب سے ممکن اور بے مثال سے مثال ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر و بے دینی اور گمراہی و زندقہ ہیں۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہیں صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ (دفتر دوم مکتوب: ۴۴) اسی لئے آپ نے حضرت ابن منصور الحلج کے قول **أَنَا الْحَقُّ** اور حضرت بایزید بسطامی کے قول **سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَانِي** کی تاویل فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں فرمایا:

بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبہء محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں مگر ایسا غلبہء محبت اور استیلائے عشق محبوب کی وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حس عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۱)

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے جہاں کہیں تصور وحدت الوجود کی تردید فرمائی ہے اس سے مقصود اس تعبیر و تشریح کی مخالفت ہے جس سے خالق و مخلوق کے درمیان اتحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ تصور وحدۃ الوجود تو حید کا ابتدائی مرتبہ ہے جو فنایت اور غلبہء محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ مقام وجودیت سے آگے مقام ظلیت ہے اور سب سے بڑھ کر مقام عبدیت ہے۔ آپ کے نزدیک حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابن عربی اور دیگر صوفیائے وجودیہ رحمۃ اللہ علیہم اسی مقام وجودیت پر ہی رکے نہ رہے تھے بلکہ یہاں سے ترقی کر کے عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبوں

پر پہنچے تھے اور مقامِ عبدیت سے مشرف ہو گئے تھے۔ (وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذَٰلِكَ)

عوارضِ توحید و جود کی

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید و جود کی قائلین ذات اور کائنات کے درمیان اتحاد و عینیت، احاطہ و معیتِ ذاتیہ کی نسبتیں ثابت کرتے ہیں یہ سب وہم و خیال کی پیداوار ہیں۔ حق یہ ہے کہ ذات اور کائنات کے درمیان خالقیت اور مخلوقیت، دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے تعلق کے سوا اور کوئی تعلق یا نسبت ثابت نہیں ہے۔ یعنی مخلوق اپنے خالق کے وجود پر علامت ہے۔ کائنات ذات کے وجود پر دلالت ہے اور خلق حق تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا مظہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حق اور خلق کے درمیان یہی نسبتیں بعض عوارض کی بنا پر بعض لوگوں کیلئے احکام و ہمیہ کے حصول کا باعث بن جاتی ہیں۔ آپ نے دفتر اول مکتوب: ۳۱ میں ان عوارض و اسباب کی تشریح فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ توحید و جود کی قبول کرنے والے سالکین کو تین قسم کے عوارض پیش آتے ہیں۔

عارضِ اول

بعض سالک توحید کے مراقبوں کی اتنی کثرت کرتے ہیں کہ ان مراقبوں کی صورت ان کی قوتِ خیالیہ پر نقش کا لہجر ہو جاتی ہے یعنی کلمہٴ نفی اثبات کا تکرار کرتے وقت ذہن میں اس کا معنی ملحوظ رکھتے ہیں اور یہی معنی کثرتِ تکرار کی وجہ سے ان کے قلب و ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ وحدتِ وجود کا قول کرنے پر مُبصر ہو جاتے ہیں۔

عارضِ ثانی

بعض سالکوں کو توحید و جودی کا ظاہری علم (جو تکرار کی وجہ سے اور فتوحات و فصوص کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے) ایک خاص قسم کا ذوق بخش دیتا ہے۔ جس سے رہائی پانا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ علمی اور ذوقی طور پر توحید و جودی کا قول کرتے ہیں۔

عارضِ ثالث

کچھ سالکین ایسے بھی ہوتے ہیں جو غلبہٴ محبت کی بنا پر محبوب کے علاوہ ہر شے کی نفی پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ محبت کی شدت غیر محبوب کے وجود کو قبول نہیں کرتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اور توحید و جودی کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں کی توحید سے اعلیٰ ہے اور حال کے دائرہ میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہری حواس، عقل اور شریعت کے موافق نہیں لیکن توحید و جودی کی پہلی دونوں قسمیں ضعیف اور علم و قال کے دائرہ میں داخل ہیں، حال سے ان کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ لہذا توحید و جودی کے ان احکام و ہمیہ کو شریعت و حقیقت کے ساتھ تطبیق دینا بیجا تکلف کے مترادف ہے۔

ارباب توحید و جودی کے تینوں گروہوں کے بارے میں مفصل گفتگو دفتر اول مکتوب: ۲۹۱ میں موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصۃ المرام

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے سلوک میں وحدت الوجود کو قبول فرمایا تھا لیکن بعد میں انکار فرما دیا اور توحید و جودی پر اصرار کرنے والے بزرگوں کے احوال و اقوال کی تاویل فرماتے رہے۔ آپ کا یہ موقف ترویجِ شریعت کے لیے تجدیدی

حکمتوں پر مبنی تھا۔ آپ کا کلام تضادات سے مبرا ہے لیکن احوال کی تبدیلی کے پیش نظر بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں آپ نے صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ

”اگر قبول وحدت وجود بودہ است از کشف بودہ است نہ از روئے

تقلید و اگر انکار است ہم از الہام است“ (دفتر اول مکتوب: ۳۱)

(یعنی) اگر ابتدا میں اس فقیر کو وحدت الوجود قبول رہا ہے تو وہ کشف کی بنیاد پر تھا نہ کہ تقلید کے طور پر اور اگر اب وحدت الوجود سے انکار کر رہا ہے تو یہ بھی الہام کی وجہ سے ہے، اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ دوسروں کے لئے الہام حجت نہیں۔

آپ کے ارشاد سے واضح طور پر آپ کا وحدت الوجود کی صحت سے انکار ثابت ہو رہا ہے۔ ہمارے ایک ہم عصر مصنف کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری نے اپنی تصنیف ”وحدت الوجود و وحدت الشہود“ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حضرت امام ربانی بھی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان کے اور ابن عربی قدس سرہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی یہ تحقیق ایک مفروضے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح دونوں نظریات میں تطبیق دیکر نزاع لفظی ثابت کرنے والے حضرات نے بھی تکلفات بعیدہ کا ارتکاب فرمایا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وحدت الوجود غلبہ سکر کا نتیجہ ہے اور سکر کا تعلق مقام ولایت سے ہے۔ اس سے بالاتر مقام صحو و ارشاد ہے جس کا تعلق مقام نبوت سے ہے۔ وحدت الشہود کے معارف علوم نبوت سے مقتبس ہیں اور یہ امر واقعی ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آج تک آپ جیسا صاحب کشف و الہام عارف پیدا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عربی کے فلسفہ توحید پر جس طرح آپ

نے تبصرہ فرمایا ہے کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے بیان کردہ ایرادات کا شافی جواب دے سکے۔ جن حضرات نے آج تک ان حقائق کے بارے میں لب کشائی فرمائی ہے وہ علم و عقل اور فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے ہیں۔ کشف و شہود کی بنیاد پر وہ توحید و جودی اور توحید شہودی پر قلم نہ اٹھا سکے لہذا حضرت مجدد کے نظریہ توحید پر ان کے اعتراضات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہیں۔

حقیقتِ محمدیہ ﷺ

اور

حضرت امام ربانی رحمہ اللہ علیہ

علمائے راہنہ اور صوفیائے محققین کی کشفی تحقیقات کے مطابق حقیقتِ محمدیہ ﷺ حقائقِ کونیہ میں سے ایک حقیقت ہے جسے نور ذاتی، ظہور اول اور حقیقت الحقائق کہتے ہیں جس کا ادراک ناممکن ہے۔ اسے مختلف تعبیرات و اصطلاحات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں۔

حقیقتِ محمدیہ اسمِ اعظم ہے

هِيَ الذَّاتُ مَعَ التَّعْيِينِ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ يَعْنِي حَقِيقَتِ مُحَمَّدٍ

وہ ذات ہے تعین اول کے ساتھ اور وہی اسمِ اعظم ہے۔ (کتاب التعریفات: ۴۰)

عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح خطبہ دیوان ابن

الفارض میں وَقَرَنَ إِسْمُهُ الشَّرِيفَ بِالْأَعْظَمِ اسْمًا يَهِيَ الْحُسْنَىٰ كِى شَرْحِ مِىں فرمایا

وَهُوَ إِسْمُ اللَّهِ فَإِنَّهُ الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ يَعْنِي حَضُورَ ﷺ

اسم ہیں پس بے شک وہ اسمِ اعظم ہیں اسی پر اکثریت کا اتفاق ہے۔

صوفیائے وجودیہ کے نزدیک ذاتِ لاہوت کے تنزلات کو تعبیری الفاظ میں اسماء

کہا جاتا ہے۔ مرتبہ ذات (لا تعین) کے بعد اسماء کے مراتب شروع ہوتے ہیں جن میں

پہلا وحدت کا ہے باقی سارے مراتب کا ظہور اور ان کی بقاء اسی مرتبہ سے وابستہ ہے۔

اللہ کا اسم اعظم بھی وحدت ہے اور آپ اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ متحقق ہیں اسی لیے اس مرتبے کو اسماء کے مراتب کا اسم اعظم کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم
 فَالْحَقِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ صُوْرَةٌ لِاسْمِ اللّٰهِ الْجَامِعِ لِجَمِيْعِ الْاَسْمَاءِ
 الْاِلَهِيَّةِ لِاَنَّهُ صَاحِبُ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ (کتاب التنبیہات) یعنی پس حقیقت
 محمدیہ تمام اسماء الہیہ کے جامع اسم اللہ کی صورت ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ صاحب اسم
 اعظم ہیں۔

حقیقت سے مراد مبدأ فیض ہے

حضرت شیخ عبدالنبی شامی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ سَيِّدُنَا شَيْخُ الْمَشَايِخِ سَيِّدِي شَيْخُ آدَمَ قَدَّسَ اللهُ سِرَّهُ
 اِنَّ حَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةِ الذَّاتُ الْجَامِعَةُ الْمُنْزَلَةُ عَنِ التَّنْزِلِ پَسِ بَايِدُ نَمِيْدُ كِه
 اَطْلَاقِ حَقِيقَتِ بَرِچِنْدِ وَجِهٍ اَسْتِ دَرِیْنَجَا مَرَادِ اَزِ حَقِيقَتِ مَبْدَأِ فَيْضِ اَسْتِ نَهْ
 حَقِيقَتِي كِه مَرَكَبِ اَزِ جِنْسِ وَنَوْعِ بَاشْدَتَا مَحَلِّ اِعْتِرَاضِ كَرْدِ

(مجموعۃ الاسرار مکتوب: ۲۹)

یعنی ہمارے شیخ المشائخ شیخ آدم (بنوری) قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقت محمدی
 ایک جامع ذات ہے جو ہر قسم کے تنزل (زوال) سے پاک ہے پس جاننا چاہیے کہ
 حقیقت کا اطلاق کئی وجہ سے ہوتا ہے یہاں حقیقت سے مراد مبدأ فیض ہے، وہ حقیقت
 مراد نہیں جو جنس اور نوع سے مرکب ہوتی ہے کہ اس پر اعتراض کیا جاسکے۔

حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)
 کے نزدیک یہاں حقیقت محمدیہ سے مراد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدأ فیض ہے اور آپ کا

مبدأ فیض مرتبہ شان العلم ہے جو شان جامع ہے اور شان العلم کلی ہے ان کے نزدیک حقیقت محمد یہ ﷺ کیلئے تنزل کی اصطلاح محل نظر ہے خاص کر جبکہ تنزل سے زوال مراد لیا جائے۔ واللہ اعلم

حقیقت محمد یہ نور ذاتی ہے

حضرت شیخ عارف الصاوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ابوالحسن الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صلوٰۃ النور الذاتی کی شرح میں فرماتے ہیں:

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النُّورِ الذَّاتِيِّ أَيْ
نُورُ ذَاتِ اللَّهِ أَيْ الَّذِي خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِلَا مَادَّةٍ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْوُجُودِ وَمَادَّةٌ لِكُلِّ مَوْجُودٍ

یعنی اے اللہ درود، سلام اور برکت نازل فرما ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو نور ذاتی ہیں یعنی جو اللہ کی ذات کے نور ہیں یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مادہ کے پیدا فرمایا ہے کیونکہ آپ مفتاح وجود اور ہر موجود کے مادہ ہیں۔

نور ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت محمد یہ کا وجود بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلی سے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم

حقیقت محمد یہ کا اور اک ناممکن ہے

حضرت سید عبداللہ المیر غنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَلَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَلَا لَاحِقٌ وَكَيْفَ يُدْرِكُ مَنْ كَانَ خُلُقُهُ
الْقُرْآنُ وَذَاتُهُ، مِنْ نُورِ ذَاتِ الرَّحْمَانِ وَمَنْ لَهُ كُلُّ مَرَاتِبِ الْإِحْسَانِ
وَهُوَ الْحَبِيبُ الْأَكْرَمُ وَالْمَخْصُوصُ بِالتَّجَلِّيِ الْأَعْظَمِ وَمِنْ هُنَا قَالَ

بَعْضُ الْعَارِفِينَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَجْمَعِينَ لَوْ أَنْكَشَفْتَ حَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلخَلْقِ لَا رُتَدُوا وَاجْمِيعًا (نجات القدس)

یعنی پس ہم میں سے کسی سابق اور لاحق نے حقیقت محمدیہ کا ادراک نہیں کیا اور آپ کس طرح ادراک میں آسکتے ہیں حالانکہ آپ کا خلق قرآن ہے اور آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور سے ہے اور آپ کیلئے احسان کے تمام مراتب ہیں اور آپ حبیب اکرم ہیں اور تجلی اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی لیے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اگر حقیقت محمدی خلق پر ظاہر ہو جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔

شرح تعرف میں ہے:

قَالَ أَبُو يَزِيدَ لَوْ بَدَأَ لِلخَلْقِ مِنَ النَّبِيِّ ذَرَّةً لَمْ يَقُمْ مَا دُونَ

العَرْشِ یعنی بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مخلوق کیلئے نور نبی سے ایک ذرہ ظاہر ہو جائے تو جو کچھ عرش کے نیچے ہے قائم نہ رہ سکے۔

حقیقت محمدیہ ظہور اول و حقیقت الحقائق ہے

حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها

کہ ظہور اول ست و حقیقۃ الحقائق است بان معنی کہ حقائق دیگر چہ حقائق

انبیاء کرام و چہ حقائق ملائکہ عظام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کالظلال اند

مرأورا و اواصل حقائق ست قال علیہ و علی الیہ الصلوٰۃ والسلام اول

ما خلق الله نورى (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲)

یعنی حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها جو ظہور اول

اور حقیقت الحقائق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے حقائق سب اس کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا
اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ حقیقۃ الحقائق ست
آنچه در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال برین فقیر منکشف گشته است تعین و
ظہور جہی است کہ مبدأ ظہورات و منشاء خلق مخلوقات است در حدیث
قدسی کہ مشہور است آمدہ است کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ
فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأُعْرَفَ

اول چیزے کہ ازاں گنجینہ مخفی بر منشاء ظہور آمد حب بودہ است کہ
سبب خلق خلائق گشتہ اگر این حب نہ مے بود در ایجاد نہ مے کشود و عالم
در عدم راسخ و مستقر مے بود سر حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْأَفْلاكَ
رَاكَةً در شان خاتم الرسل واقع ست علیہ و علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات اینجا
باید جست و حقیقت لَوْلَاكَ لَمَّا أَظْهَرْتُ الرَّبُّوبِيَّةَ رَادِرِينَ مقام باید طلبید
ترجمہ: جو کچھ آخر کار مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے یہ
ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبدأ
اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسے کہ اس حدیث قدسی میں آیا ہے جو مشہور ہے
”میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا“
اول وہ چیز جو اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی یہی حب ہے جو مخلوقات کی

پیدائش کا سبب ہوئی ہے اگر یہ حسب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم، عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ حدیث قدسی لَوْلَا كَ لَهَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (تو اگر نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کے سر کو جو حضرت خاتم الرسل کی شان میں ہے اس جگہ ڈھونڈنا چاہیے اور لَوْلَا كَ لَهَا اَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہیے۔

حقیقت محمدیہ تعین جسی اور تعین وجودی ہے

چند سطور کے بعد مزید فرماتے ہیں:

اول اعتبار سے کہ پیدا شدہ از برائے ایجاد عالم حب ست بعد ازاں اعتبار وجود کہ مقدمہ، ایجاد ست چہ حضرت ذات را جل شانہ بے اعتبار این حب و بے اعتبار این وجود از عالم و از ایجاد عالم استغناست إِنَّ اَللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (العنکوت: ۶) نص قاطع ست ترجمہ: عالم کے ایجاد کیلئے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے ”بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے“ آیت قرآنی اس پر نص قاطع ہے۔

نیز رقمطراز ہیں:

باید دانست کہ در تعین اول کہ تعین جسی ست چون بدقت نظر کردہ میشود بفضل اللہ سبحانہ معلوم می گردد کہ مرکز آن تعین حب ست کہ

حقیقت محمدی ست علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ تعین اول میں جو کہ تعین حسی ہے جب بڑی بار یک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ہے۔ (آپ اور آپ کی آل پر صلوة و سلام ہو)

حدیث کُنْتُ كُنْزًا خَفِيًّا سے معلوم ہوا کہ تعین حسی پہلا اعتبار ہے جو تخلیق کائنات کے لئے ظاہر ہوا اور تعین حسی کا مرکز حقیقت محمدیہ ہے اور حدیث لولاک سے ثابت ہوا کہ تعین وجودی دوسرا اعتبار ہے جو ایجاد عالم کا مقدمہ بنا۔

گویا تعین وجودی، تعین حسی کا ظل ہے اور تعین حسی، تعین وجودی کیلئے واسطہ ہے۔ (نذیر)

حقیقت محمدیہ شیخ اکبر کی نظر میں

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ اور آپ کے تابعین صوفیائے وجودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات (جس کو تعین اول اور تعین حسی کہا جاتا ہے) مرتبہ وحدت کا نام ہے اور تعین ثانی کو وحدیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر دو تعین کو تعین وجودی کہتے ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور باقی تین تعینات (روحی، مثالی اور جسدی) کو تعین امکانی کہتے ہیں (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق مترجم: ۸۴، دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲) اسی طرح حقیقت محمدیہ اور حقائق ممکنات (اعیان ثابتہ) کیلئے وجوب کا حکم ثابت کرتے ہیں اور واجب و ممکن کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں لِعَدَمِ التَّمْيِيزِ بَيْنَهُمَا اور فصوص الحکم میں ہے:

وَأَعْيَانُنَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ ظِلُّهُ لَا غَيْرُهُ (فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ)

یعنی ہمارے اعیان ثابتہ (حقائق ممکنات) حقیقت میں حق تعالیٰ کا ظل ہیں نہ

کہ اس کا غیر۔

ان کے نزدیک اصل اور ظل میں عینیت ہے اور اعیان ثابتہ کو اسماء الہیہ کی صورت علمی کا ظہور کہتے ہیں اور حقیقت محمدیہ سے حضرت اجمال علم مراد لیتے ہیں اور اس کو مرتبہ لائعین کا تعین اول اور تجلی ذات سمجھتے ہیں اور اس تعین اول کو تعین علمی اور صورت شان العلم قرار دے کر خارج میں عین ذات کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک خارج میں ذات محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں۔

حقیقت محمدیہ امام ربانی کی نظر میں

حضرت امام ربانی قدس سرہ اور دیگر صوفیائے شہود یہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت، حقیقت الحقائق، تعین جسی، تعین وجودی اور ظہور نفس اسم الہی کا نام ہے۔ انبیائے عظام اور ملائکہ کرام وغیرہ کے حقائق حقیقت محمدیہ کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ اصل حقائق ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک ذات واجب (لائعین) کیلئے تعینات، تنزلات و ظلال کا اطلاق جائز نہیں حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

نزد این فقیر بیچ تعینے و متعینے نیست کدام تعین بود کہ لائعین را متعین سازد (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲) یعنی فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور متعین نہیں ہے وہ کون سا تعین ہے جو لائعین (ذات واجب حق تعالیٰ) کو متعین بنائے۔

نیز ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

در عبارت فقیر این قسم الفاظ اگر واقع شود از قبیل صنعت مشککہ باید

دانست

یعنی فقیر کی عبارتوں میں اس قسم کے الفاظ (تعین اور ظل وغیرہ) اگر واقع ہوں تو

ان کو صنعت مشککہ کے قبیل سے جانا چاہیے۔

صنعتِ مشاکلہ

الْمُشَاكَلَةُ ذِكْرُ الشَّيْءِ بِلَفْظٍ غَيْرِهِ لَوْ قُوِعَهُ فِي صُحْبَتِهِ كَقَوْلِهِ
تَعَالَى جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (مطول)

ترجمہ: کسی شئی کا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کی مصاحبت کی وجہ سے ذکر کرنا
مشاکلہ کہلاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”گناہ کی سزا اسی کی مثل گناہ ہے۔“ یعنی
گناہ کی سزا میں اسی گناہ کی مناسبت سے گنہ گار کو عذاب دیا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ
گناہ کی سزا گناہ ہے۔ یہاں دوسرے لفظ سیئہ کا مفہوم پہلے لفظ سیئہ سے مختلف ہے
کیونکہ پہلا سیئۃ اپنے اصل مفہوم پر ہے اور دوسرا لفظ سیئۃ دوسرے معنی میں
استعمال ہوا ہے اسی طرح مشائخ و علماء کا کلام بھی بعض اوقات صنعتِ مشاکلہ کے قبیل
سے ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک پہلے دونوں تعینوں کو تعین و جوہی کہنا
غلط ہے کیونکہ جب حقیقۃ الحقائق (سب سے پہلی حقیقت) مخلوق و حادث ہے تو
دوسرے مابعد کے حقائق بھی مخلوق و حادث ہوں گے تعین و جوہی ممکنات کی حقیقت نہیں
ہو سکتا۔ ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہوگی نہ کہ واجب۔ آپ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا
مخلوق ہونا حدیث نبوی اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي سے ثابت ہے اور اسی طرح امام
ربانی قدس سرہ کے نزدیک قَبْلَ خَلْقِ السَّمَوَاتِ بِأَلْفِ عَامٍ اور قَبْلَ خَلْقِ
أَدَمَ بِأَرْبَعَةِ عَشَرَ أَلْفِ عَامٍ (المواہب اللدنیہ مع الزرقانی جلد اول: ۴۹) اور اس کی
مثل احادیث سے خلقت کا وقت متعین بھی ثابت ہوتا ہے جو حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا
اصلوت کے مخلوق اور حادث ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابن عربی قدس سرہ کا حقائق ممکنات (یعنی اعیان ثابۃ) کو ذات

واجب تعالیٰ کا ظل قرار دینا بھی حقیقت معاملہ تک نارسائی کی وجہ سے ہے کیونکہ کوئی مخلوق خالق کا ظل نہیں ہو سکتی۔ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو مخلوقیت کی نسبت کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ جب یہ فقیر مرتبہ ظلیت کی سیر میں تھا تو اس قسم کے علوم بندہ پر بھی وارد ہوئے تھے۔ بعد میں جب معاملہ آگے بڑھا تو ظاہر ہوا کہ وہ علوم و معارف سکر یہ تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

این قسم علوم کہ اثبات نسبت نماید در میان واجب تعالیٰ و ممکن و شرع بہ ثبوت آنها وارد نہ شدہ است ہمہ از معارف سکر یہ است و از نارسائی ست بہ حقیقت معاملہ مع ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد تعالیٰ و واجب را چہرا ظل بود کہ ظل موہم تولید بہ مثل ست و نبی از شانہ عدم کمال لطافت اصل ہر گاہ محمد رسول اللہ را از لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲)

ترجمہ: اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی نسبت کا اثبات کریں کہ جس کے ثبوت میں شرع وارد نہ ہو وہ تمام علوم معارف سکر یہ سے ہیں اور حقیقت معاملہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہیں۔ ممکن کیاشی ہے جو واجب تعالیٰ کا ظل بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظل کیسے ہو سکتا ہے کہ ظل سے تولید مثل کا وہم ہوتا ہے اور کمال لطافت کے نہ ہونے سے خبر دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ کا ظل بوجہ کمال لطافت کے نہ تھا تو محمد ﷺ کے خدا کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ ذات کے مرتبہ شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفس اسم الہی کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورت

علمی کا ظہور، کیونکہ کسی چیز کی نفس شئی اور اس کی صورت علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ نفس آگ اور اس کی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں:

و بغیر آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیچ کس در نظر نے در آید کہ ظہور نفس اسم الہی باشد تعالیٰ الا قرآن مجید کہ آن نیز ظہور نفس اسم الہی ست جل سلطانہ چنانچہ ثمہ از ان بالا ذکر یافتہ است غایۃ مافی الباب منشاء ظہور قرآنی از صفات حقیقیہ است و منشاء ظہور محمدی از صفات اضافیہ ناچار آن را قدیم و غیر مخلوق گفتہ اند و این را حادث و مخلوق و معاملہ کعبہ ربانی ازین دو ظہور اسمی ہم عجیب ترست کہ آنجا ظہور معنی تزیہی ست بے کسوت صورت و اشکال (دفتر سوم مکتوب: ۱۰۰)

ترجمہ: اور آنسرور ﷺ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الہی (تعالیٰ) کا ظہور ہو البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الہی کا ظہور ہے (جل سلطانہ) جیسا کہ اختصار کے ساتھ اوپر گزر چکا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظہور قرآنی کا منشاء صفات حقیقہ سے ہے اس لیے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ سے ہے لہذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے اور کعبہ ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہور اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تزیہی کا ظہور ہے۔

قول فیصل

طائفہ علیہ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حقیقت شئی سے مراد اسم الہی ہے جو کہ اس شئی کا مبداء تعین ہے اور یہ شئی اس اسم کیلئے ظل اور عکس کی مانند ہے۔ حقیقت محمدیہ

سے مراد ذات محمدیہ نہیں بلکہ وہ اسم الہی مراد ہے جو حضور ﷺ کے عالم خلق کا مربی ہے اور وہ شان العلم ہے۔

حقیقت کعبہ سے مراد وہ مرتبہ و جوب ہے جو حضور سرور عالم ﷺ کے عالم امر کا مربی ہے اور شان العلم سے بلند تر ہے اس اعتبار سے حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ سے افضل ہے۔

نیز حقیقت کعبہ عالم اکوان کیلئے مسجود ہے جبکہ حقیقت محمدیہ ساجد ہے نہ کہ مسجود لہذا حقیقت کعبہ شان مسجودیت کی وجہ سے حقیقت محمدیہ ﷺ سے افضل ہے اور ساجدیت و مسجودیت کا فرق اہل علم و فہم پر واضح ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا: این حقیقت را جل سلطانہا اگر مسجود حقیقت محمدی گویند چہ محذور لازم آید۔۔۔ آری حقیقت محمدی از حقائق سائر افراد عالم افضل است اما حقیقت کعبہ معظمہ از عالم عالم نیست (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۴)

ترجمہ: اگر کعبہ کی اس حقیقت کو (جو کہ ذات بے چون اور شایان مسجودیت ہے) مسجود حقیقت محمدی کہا جائے تو کون سا امر مانع ہے ہاں حقیقت محمدی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ جس عالم (مخلوق) سے نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا شافی حل حضرت امام ربانی قدس سرہ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہ نے ایک مکتوب میں بیان فرمایا ہے جو علمائے حرین شریفین کے نام تحریر فرمایا تھا۔ نیز حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی خلیفہ مجاز حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہما نے مجموعۃ الاسرار میں ارتقام فرمایا ہے۔ دونوں کتابوں سے علی الترتیب اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

ثُمَّ اعْلَمُ أَنَّ لَفْظَةَ الْحَقِيقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فِي عِبَارَاتِ شَيْخِنَا

وَأَمَامِنَا الْوَاقِعَ فِي تَصَانِيفِهِ الشَّرِيفَةِ عَلَى مَعَانٍ مُخْتَلِفَةٍ وَأَنْحَاءِ شَيْئِي
فَمَثِي قُوبَلْتُ بِالْحَقِيقَةِ الْأَحْمَدِيَّةِ وَالْكَعْبَةِ الرَّبَّانِيَّةِ يُرَادُ بِهَا الْإِسْمُ
الْإِلَهِيُّ الْجَامِعُ الَّذِي يُنَاسِبُ تَرْبِيَةَ الْعَالَمِ السِّفَلِيِّ وَمَثِي قُوبَلْتُ
بِالْحَقِيقَةِ الْإِلَهِيَّةِ يُرَادُ بِهَا الشَّانُ الذَّاتِيُّ الْجَامِعُ الَّذِي يَتَوَلَّى تَرْبِيَةَ
الْعَالَمِ الْعُلَوِيِّ وَهُوَ حَاوٍ عَلَى جَمِيعِ الشُّيُونَاتِ الذَّاتِيَّةِ وَأَصْلٌ وَمَبْدَأٌ
لِلْإِسْمِ الْجَامِعِ الْمُتَضَمِّنِ لِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ فَيَكُونُ هَذَا الشَّانُ كَلًّا لِسَائِرِ
الْحَقَائِقِ وَهِيَ أَبْعَاضُهُ وَأَجْزَاؤُهُ وَهِيَ الْمَعْبَرَةُ بِحَقِيقَةِ الْحَقَائِقِ وَهِيَ
حَقِيقَتُهُ الَّتِي لَا وَاسِطَةَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الذَّاتِ الْمُقَدَّسِ كَمَا ذَكَرَهُ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي آخِرِ مَكْتُوبِهِ لَهُ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِأَيَّامٍ قَلِيلَةٍ أَنَّ الْحَقِيقَةَ
الْمُحَمَّدِيَّةَ فَوْقَ جَمِيعِ الْحَقَائِقِ (مكتوبات سعید یہ مکتوب: ۶۸)

ترجمہ: حقیقت محمدیہ کے الفاظ ہمارے شیخ اور امام کی تصانیف میں مختلف معانی
اور اقسام میں آئے ہیں۔ حقیقت محمدیہ جب حقیقت احمدیہ اور حقیقت کعبہ ربانیہ کے
مقابلے میں بولی جائے تو اس سے وہ جامع اسم الہی مراد ہے جو عالم سفلی کی تربیت کے
لیے مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الہیہ کے مقابلے میں بولی جائے تو اس سے مراد
وہ جامع شان ذاتی ہے جو عالم علوی کی تربیت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور تمام
شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے اور اصل و مبدأ ہے اس جامع اسم کا جو تمام اسماء کو شامل
ہے۔ پس یہ شان تمام حقائق کا کل ہے اور باقی حقائق اس کے اجزاء ہیں اور اسے حقیقت
الحقائق سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اس کے اور ذات مقدس کے
درمیان کوئی واسطہ نہیں جیسا کہ حضرت مجدد ﷺ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے
اپنے آخری مکتوب میں تحریر فرمایا کہ حقیقت محمدیہ تمام حقائق سے فوق ہے۔

حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۴۶ھ رقم طراز ہیں:

باید فہمید کہ حضرت کعبہ را دو حقیقت است حقیقتی است در مرتبہ مخلوقہ کہ آن قابلیت است از قابلیات نور اول کہ نور محمدی است علیہ السلام و حقیقتی است در مرتبہ وجوب کہ صفت معبودیت مسجود لہ است کہ ہمان حقیقت مقتضی مسجود الیہ بودن کعبہ است و حضرت را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی آلہ وسلم نیز دو حقیقت است حقیقتی در مرتبہ مخلوقہ کہ ذات نور اول است جامع بہ جمیع قابلیات کہ حقیقت اول کعبہ قابلیت است ازین قابلیات و حقیقتی است در مرتبہ وجوب کہ آن قابلیت ذات است مراعات علمی را تا متعلق شود با جمیع شیونات و صفات بطریق اجمال مر این قابلیت قابلیت است از قابلیات مسجود لہ پس در قول حضرت ایشان فضیلت کعبہ بہ اعتبار حقیقت ثانی است نہ اول (فانہم)

(مجموعۃ الاسرار مکتوب: ۸۱)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت کعبہ کی دو حقیقتیں ہیں ایک حقیقت مرتبہ مخلوق کی ہے اور یہ نور اول کی قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے۔ وہ نور اول نور محمدی ہے اور دوسری حقیقت مرتبہ وجوب کی ہے جو معبودیت یعنی جس کو سجدہ کیا جائے کی حقیقت ہے اور کعبہ کی یہی حقیقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی مقتضی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دو حقیقتیں ہیں۔ ایک حقیقت مرتبہ مخلوق کی ہے جو نور اول کی ذات ہے اور تمام قابلیتوں کو جمع کرنے والی ہے اور کعبہ بھی ان قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے اور دوسری حقیقت مرتبہ وجوب کی ہے جو ذات کی قابلیت ہے اور علمی اعتبار سے ہے، تاکہ تمام

شیون و صفات کو اجمالی طریقے سے جمع کرنے والی بنے اور یہ قابلیت معبودیت کی قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے چنانچہ ہمارے حضرت ایشاں عزیزہ کا قول فضیلت کعبہ کے متعلق دوسری حقیقت ہے نہ کہ پہلی، پس اسے سمجھئے۔

حقیقت کعبہ اگرچہ حقیقت محمدی سے افضل ہے مگر کعبہ کی حقیقت اپنے مقام اصلی سے اوپر عروج نہیں کرتی جبکہ حقیقت محمدیہ بفحوائے آیت کریمہ **وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَى** (الضحیٰ: ۴) ہر دم عروج لاتنا ہی سے مشرف ہے۔ نیز صورت کعبہ مخلوق ہے اور حقیقت محمدیہ سبب ظہور مخلوق ہے اسی بنا پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوق ہیں۔ اس مقام کا حل یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ صورت کعبہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ سے افضل ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اہل تحقیق پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے مکاتیب قدسیہ اور تصانیف شریفہ میں لفظ حقیقت محمدیہ مختلف معانی اور متعدد اقسام پر استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ ایک ہی مخصوص معنی یا قسم مراد لینا فہم سقیم کی علامت ہے۔ لہذا جب حقیقت محمدیہ حقیقت کعبہ کے مقابلے میں بولا جائے گا تو مراد اسم الہی ہوگا جو عالم سفلیات کی تربیت کی مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الہیہ کے مقابلے میں بولا جائے گا تو مراد شان ذاتی ہوگی جو عالم علویات کی تربیت کا متولی ہے اور تمام شیونات ذاتیہ کو حاوی ہے۔

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف تعبیرات و اصطلاحات

صوفیاء کرام کی تصریحات کے مطابق مرتبہ وحدت ۰ قلم الاعلیٰ ۰ اسم الہی ۰ امر اللہ ۰ اسم اعظم ۰ مبدأ اول ۰ تجلی اول ۰ نور اول ۰ ظہور اول ۰ شہود اول ۰ تعین اول ۰ تنزل اول ۰ فیض اول ۰ روح اول ۰ ظل اول ۰ قلم اول ۰ لوح اول ۰ عقل اول

حقیقۃ الحقائق ۰ قابلیت اولیٰ ۰ برزخ البرازخ ۰ برزخ کبریٰ ۰ سدرۃ المنتہیٰ ۰ حد
 فاصل ۰ مرتبہ صورت حق ۰ انسان کامل ۰ أم الكتاب ۰ القلب الواصل ۰ الكتاب
 المسطور ۰ روح القدس ۰ روح الاعظم ۰ روح کلی ۰ الامام المبین ۰ مرآة الحق ۰ المادة
 الاولیٰ ۰ المعلم الاول ۰ نفس الرحمن ۰ مرآة الحضرتین ۰ البرزخ الجامع ۰ مجمع البحرين
 مرآة الکلون ۰ مرکزۃ الدائرۃ ۰ مفتاح الوجود ۰ الوجود الساری ۰ نور الانوار ۰ سر
 الاسرار ۰ نفس الانفاس ۰ عرش العروش ۰ طامۃ الحقائق الکبریٰ ۰ بصر الوجود ۰ بصیرۃ
 الشہود ۰ الروح القدوسی ۰ السر السبوحی ۰ صورت ناسوت خلق ۰ معنی لاهوت حق ۰ بحر
 قاموس ۰ مجمع المصطلحات ۰ طراز رداء الکبریاء ۰ المصلح ۰ حرف الغین ۰ المعجم ۰ نقطۃ الحق ۰ المہم
 مبدأ الکل ۰ مرجع الکل فی الکل ۰ قرآن حقائق الذات ۰ فرقان تجلیات الصفات
 حضرت الاسماء والصفات ۰ الحق المخلوق بہ کل شئے ۰ مظہر کامل ۰ عالم جبروت ۰ علم
 اجمالی ۰ حقیقت انسانیہ ۰ حُب ذاتی ۰ نور ذاتی ۰ حُب جبروتی ۰ لوح قضاہ ۰ تعین جہی
 تعین وجودی ۰ رابطہ بین الظہور والبطون ۰ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِي ۰ اَوَّلُ مَا خَلَقَ
 اللهُ الْعَقْل ۰ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ اللُّوح ۰ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَم ۰ اَوَّلُ
 مَا خَلَقَ اللهُ دُرَّةَ بَيْضًا وَغَيْرَهَا حَقِيقَت مُحَمَّدٍ ﷺ ہي كى مختلف تعبیرات، تشریحات
 اور اصطلاحات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

(بزبان اقبال مرحوم)

میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لاء نے علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہ سے بال جبریل کے ان اشعار کا مفہوم دریافت کیا تو علامہ نے جواب دیا کہ یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانان ہند کے سب سے زبردست رہنما گذرے ہیں۔

(محمود نظامی۔ ملفوظات اقبال مطبوعہ لاہور: ۲۸، ۲۹)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیر مردوں سے ہوا بیشہء تحقیق تھی
عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے
سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عین حیات
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
نہ ہو روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

تفصیل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

سید المرسلین ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے جس پر صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق ہے اس کے برعکس عقیدہ رکھنے والا اجماع امت کا منکر، دائرہ اہل سنت سے خارج اور گمراہ ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی موضوع پر حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ارشادات عالیہ اور مشاہدات روحانیہ پیش کئے گئے ہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ افضلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

اجماع سلف برا فضیلت حضرت صدیق بر جمیع بشر بعد از انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات منعقد گشتہ است احمقی باشد کہ توہم خرق این اجماع نماید (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

ترجمہ: سلف صالحین کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد سب سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ احمق ہے جسے اس اجماع کو توڑنے کا وہم ہو۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰت

والتسلیمات حضرت ابو بکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضی اللہ عنہ وافضلیت ایشان بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر آئمہ کہ یکے از ایشان امام شافعی است شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہل سنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است انکار نہ کند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فیہ فرماید کہ کہے کہ مرابراہی بکر و عمر فضل بدہد مفتوری است اور اتازیانہ ز نم چنانکہ مفتوری را ز زند (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب: ۶۷)

یعنی حضرت خاتم الرسل ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان خلفاء راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت شدہ ہے۔ چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رئیس اہل سنت شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ افضلیت شیخین باقی تمام امت پر قطعی ہے دوسرے صحابہ کرام پر افضلیت شیخین کا سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں (قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُفْضِلُنِي أَحَدٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدَتْهُ حَدَّ الْبُفْتَرِيِّ) (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۵۷) جو شخص مجھے حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتوری ہے میں اسے اسی طرح کوڑے

لگاؤں گا جس طرح مفتری کو (۸۰ کوڑے) لگائے جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

اپنے آپ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل جاننے والا زندیق یا جاہل مطلق ہے۔ شخصے کہ خود را از حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل داند امر او از

دو حال خالی نیست زندیق محض است یا جاہل صرف (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ أَبُو بَكْرٍ وَخَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ عُمَرُ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۰۶) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ مِنْ أَكْبَرِ الشَّيْعَةِ أَفْضَلُ الشَّيْخِينَ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ إِيَّاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَإِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى بِي وَزَرًّا أَنْ أُحِبَّهُ ثُمَّ أَخَالَفَهُ (الصواعق المحرقة جز ۱: ۱۸۰، مکتوب: ۲۶۶) یعنی اکابرین شیعہ میں سے عبد الرزاق نے کہا میں شیخین (حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو اس لئے افضل کہتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے آپ سے افضل کہا ہے میرے گناہگار ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ بھی کروں اور پھر ان کے اقوال کی مخالفت بھی کروں۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل سنت و جماعت کی علامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

مِنْ عَلَامَاتِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخِينَ وَمُحِبَّةٌ

الْخَتَنَيْنِ (البراس: ۳۰۲) شیخین کریمین کی فضیلت اور دونوں دامادوں (حضرات عثمان و علی) کی محبت اہل سنت کی علامت ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والا اہل سنت سے خارج ہے۔

کسیکے حضرت امیر راا فضل از حضرت صدیق گوید از جرگہ اہل سنت می براید (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک افضلیت شیخین اور افضلیت عثمان کا منکر بدعتی، گمراہ اور یزید بد نصیب کا ساتھی ہے۔

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دون اوست اما حوط آن ست کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ منکر افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم..... و اس منکر قرین یزید بے دولت است

(دفتر اول مکتوب: ۲۶۶)

آپ نے اپنے روحانی مکاشفات و کیفیات کو ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے:

حضرت امیر عامل بار ولایت محمدی بودہ اند اکثر سلاسل اولیا بایشان منتسب گشت و کمالات حضرت امیر بیش از کمالات حضرات شیخین بر اکثر اولیاء عزلت کہ بکمالات ولایت مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع اہلسنت بر افضلیت شیخین بودے کشف اکثر اولیاء عزلت بافضلیت حضرت امیر حکم کردے زیرا کہ کمالات حضرات شیخین شبیہ بکمالات انبیاء است عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ دست ارباب ولایت از دامان آن کمالات کوتاہ

است و کشف ارباب کشف بواسطہ علو درجات آنها در راه کمالات ولایت
 در جنب آن کمالات کَالْبَطْرُوحِ فِي الطَّرِيقِ اند کمالات ولایت زینہ ہا اند از
 برائے عروج کمالات نبوت پس مقدمات را از مقاصد چہ خبر بود و مبادی را
 از مطالب چہ شعور امروز این سخن بواسطہ بعد عہد نبوت بر اکثرے گرانست و
 از قبول دور لیکن چہ توان کرد۔۔۔ در پس آئینہ طوطی صفتم ساخته اند۔۔۔ ہر
 چہ او ستاد ازل گفت همان میگویم۔۔۔ اَمَّا الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَالْبَهَّةُ كَمَا
 دَرِينِ كَفْتَلُو بَعْلَمَاءِ اَهْلِ سُنْتِ شَكَرَ اللّٰهُ تَعَالَى سَعِيمٌ مَوْافِقٌ وَبِهِ اِجْمَاعُ اِيشَانِ
 مُتَّفَقٌ اِسْتِدْلَالِ اِيشَانِ رَا بَر مَن كَشَفِي سَاخْتَه اِنْد و اِجْمَالِي رَا تَفْصِيْلِي اِيْنِ فُقَيْرَا تَا
 زَمَانِي كَمَا اِلْتِمَاسِ مَقَامِ نُبُوْتِ بِمَتَابِعِهِ بِبَيْغَمِ خُودِ زَسَانِيْدِنْد و اِزَانِ كَمَا اِلْتِمَاسِ بَهْرَةِ
 تَامِ نِدَادِنْد بِرِفْضَائِلِ شَيْخِيْنِ بِطَرِيْقِ كَشْفِ اِطْلَاعِ نَدِ بَخْشِيْدِنْد و غَيْرِ اِز تَقْلِيْدِ رَا هِي
 نَسْمُوْنْد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ
 لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ رُوْزِي شَخْصِي نَقْلِ كَرْدِي كِي نُوْشْتِه اِنْد كِي نَامِ
 حَضْرَتِ اَمِيْرِ بَرِ دَرِ بَهْشْتِ مُبْتَكِرِي كَرْدِه اِنْد بِخَا طَرِ سِيْدِي كِي حَضْرَاتِ شَيْخِيْنِ رَا اِز
 خِصَائِلِ اِيْنِ مَوْطِنِ چِي بَاشْدِ بَعْدِ اِز تَوْجِهِ تَامِ ظَا هِرِ شَدْ كِي دَخُوْلِ اِيْنِ اِمْتِ دَرِ
 بَهْشْتِ بَا سْتِصَوَابِ و تَجْوِيْزِ اِيْنِ دُو اَكْبَرِ خَوَابِدِ بُوْدِ كُوْنِيَا حَضْرَتِ صَدِيْقِ بَرِ دَرِ
 بَهْشْتِ اِيْتَادِه اِنْد و تَجْوِيْزِ دَخُوْلِ مَرْدَمِ مِيْفَرْمَا يِنْدِ و حَضْرَتِ فَا رُوْقِ دِسْتِ كَرْفْتِه
 بَدْرُوْنِ مِي بَرِنْدِ و مَشْهُودِ مِيْگِرْدِدِ كِي كُوْنِيَا تَامَمِ بَهْشْتِ بِنُوْرِ حَضْرَتِ صَدِيْقِ مَعْلُوْمِ
 اِسْتِ دَرِ نَظَرِ اِيْنِ حَقِيْرِ حَضْرَاتِ شَيْخِيْنِ رَا دَرِ مِيَاْنِ جَمِيْعِ صَحَابِهِ شَانِ عَلَمِدِه

است و درجہ، منفردہ گونیا بیچ احدے مشارکت ندارند (دفتر اول مکتوب: ۲۵۱)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ولایت محمدی کے حامل ہیں اس لئے اکثر سلاسل اولیاء انہی سے منتسب ہو گئے ہیں اور حضرت علی کے کمالات حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے کمالات کی نسبت اکثر گوشہ نشین اولیاء پر (جو ولایت کے کمالات سے مخصوص ہیں) زیادہ ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے گوشہ نشین کا کشف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا حکم کر دیتا..... چونکہ حضرات شیخین کے کمالات، انبیاء علیہم الصلوٰات کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ارباب ولایت کی ان کمالات تک رسائی نہیں ہے اور اہل کشف کا کشف شیخین کے کمالات نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث رستے ہی میں ہے، کمالات ولایت ان کے کمالات نبوت کے مقابلے میں كَالْمَطَرُ وُجِحٌ فِي الطَّرِيقِ (رستے میں پھینکے ہوئے کی مانند) ہیں۔ کمالات ولایت، کمالات نبوت کے عروج تک پہنچنے کے لئے زینہ (سیڑھی) ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے..... آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے اکثر لوگوں پر گراں اور قبولیت سے دور معلوم ہوتی ہے، لیکن کیا کیا جائے

در پس آئینہ طوطی صغتم ساختہ اند

ہر چہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(مثل طوطی مجھے آئینے کے پیچھے ہے رکھا..... وہی کہتا ہوں جو استاد ازل سے ہے پڑھا)

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علمائے اہل سنت

شَكَرَ اللهُ تَعَالَى سَعْيِهِمْ کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ حق

تعالیٰ نے مجھ پر ان کے استدلالی علم کو کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک اپنے پیغمبر کی متابعت کے باعث مقام نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور ان کمالات سے پورا پورا حصہ نہیں دیدیا گیا اس وقت تک فضائل شیخین کو کشف کے طریقے پر اطلاع نہیں بخشی گئی اور تقلید کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں دکھائی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف ۷: ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ (راویوں نے) لکھا ہے کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کا نام بہشت کے دروازے پر ثبت کر دیا گیا۔ اس فقیر کے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام پر کیا خصوصیتیں ہوں گی؟ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس امت کا بہشت میں داخلہ ان دونوں اکابر حضرات کی تجویز اور استصواب پر ہوگا۔ گویا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخلے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں اور ایسا مشاہدہ میں آتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین، تمام صحابہ کے درمیان ایک علیحدہ شان اور یگانہ درجہ رکھتے ہیں گویا کہ کوئی بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔
علمائے متکلمین کی تحقیقات بھی آپ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین دوانی رضی اللہ عنہ ارقام پذیر ہیں:

وَالْإِمَامُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
ثَبَّتَتْ إِمَامَتُهُ بِالْإِجْمَاعِ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ عُثْمَانُ

ذَوِ النُّورَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ عَلَى الْمُرْتَضَى كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ وَالْأَفْضَلِيَّةُ
 بِهَذَا التَّرْتِيبِ وَمَعْنَى الْأَفْضَلِيَّةِ أَنَّهُ أَكْثَرُ ثَوَابًا عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَ
 تَعَالَى لِأَنَّهُ أَعْلَمُ وَأَشْرَفُ نَسَبًا وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ (العقائد العنصرية)
 یعنی نبی اکرم ﷺ کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی امامت
 اجماع سے ثابت ہو چکی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان ذوالنورین
 رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالترتیب امام ہوئے اور افضلیت اسی ترتیب کے
 مطابق ہے اور افضلیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ثواب پانے والے
 ہیں نہ کہ اس معنی میں کہ وہ سب سے زیادہ عالم اور نسباً اعلیٰ و معزز ہیں وغیرہا۔

حضرت ملا علی قاری رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَ الصِّحَابَةِ أَبُو بَكْرٍ

فَعَمْرُ فَعُثْمَانُ فَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ (شرح فقہ اکبر: ۱۱۹) اہل سنت و جماعت کا اس
 امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ تمام صحابہ کرام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، ان کے بعد
 عمر، پھر عثمان اور پھر علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسن روسی رضی اللہ عنہ تصدیقاً بدء الامالی میں تحریر فرماتے ہیں:

وَ لِلصِّدِّيقِ رُجْحَانٌ جَلِيٌّ

عَلَى الْأَصْحَابِ مِنْ غَيْرِ إِحْتِمَالٍ

یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بغیر کسی شک و احتمال کے افضلیت
 حاصل ہے۔

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

الْإِمَامُ الْحَقُّ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَنَا وَعِنْدَ

الْمُعْتَزِلَةَ وَأَكْثَرُ الْفِرَقِ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدَ الشَّيْعَةِ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَا عِبْرَةَ (شرح المقاصد جلد دوم: ۲۸۶)

یعنی ہم اہل سنت و جماعت، معتزلہ اور اکثر فرقوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ شیعہ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابو جعفر طحاوی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں:

نُتِبَتْ الْخِلَافَةُ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلًا لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيمًا عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُمْ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالْأئِمَّةُ الْمَهْدِيُّونَ

(التعليقات الاثرية على عقيدة الطحاوية ۱: ۵۳)

یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہوئے اور تمام امت سے مقدم سمجھتے ہوئے سب سے پہلے خلافت کا اثبات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے کرتے ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اور پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے اور وہ تمام خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں:

صوفیائے محققین کے نزدیک بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تفضیل و تقدیم پر

اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ صاحب التعرف ارقام پذیر ہیں:

أَجْمَعَ الصُّوفِيَّةُ عَلَى تَقْدِيمِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيَّ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (البراس: ۳۰۳)

حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا سبب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ذَكَرَ الْمُحَقِّقُونَ أَنَّ فَضِيلَةَ الْمَبْحُوثِ عَنْهَا فِي الْكَلَامِ هِيَ كَثْرَةُ الثَّوَابِ أَيْ عِظَمُ الْجَزَاءِ عَلَى أَعْمَالِ الْخَيْرِ لَا شَرَفَ النَّسَبِ وَإِلَّا لَزِمَ أَنْ يَكُونَ وَلَدُ النَّبِيِّ أَفْضَلَ مِنَ النَّبِيِّ الَّذِي لَيْسَ أَبُوهُ نَبِيًّا وَلَا كَثْرَةُ الطَّاعَاتِ الظَّاهِرَةِ لِأَنَّ الثَّوَابَ لَيْسَ عَلَى حَسَبِ مِقْدَارِهَا لِأَنَّ انْفِاقَ أَحَدِنَا جَبَلٍ أَوْ ذَهَبًا لَا يَبْلُغُ مَدَّ الصِّعَابَةِ وَلَا نَصِيفَهُمْ كَمَا فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ وَالسِّرُّ فِي ذَلِكَ أَنَّ أَصْلَ الْخَيْرِ هُوَ الْإِخْلَاصُ فِي الْعَمَلِ وَمُحَبَّةُ الْحَقِّ سُبْحَانَهُ وَدَوَامُ الْحُضُورِ مَعَهُ وَهِيَ أُمُورٌ بَاطِنَةٌ وَلِذَا قَالَ بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمُرْزِيُّ مَا فَضَّلْتُكُمْ أَبُو بَكْرٍ بِصَوْمٍ وَصَلْوَةٍ وَلَكِنْ بِشَيْءٍ فِي قَلْبِهِ انْتَهَى فَلَا يَخْفَى أَنَّ كَثْرَةَ الثَّوَابِ لَا تُعْلَمُ إِلَّا بِأَخْبَارِ الشَّارِعِ وَلَا مَدْخَلَ فِيهَا لِلْعَقْلِ وَالْمَنَاقِبِ الظَّاهِرَةِ

(النبراس: ۲۹۹)

یعنی محققین نے بیان کیا ہے کہ کلام میں مباحث عنہا کی فضیلت کثرت ثواب ہے یعنی اعمال خیر پر جزاء کی زیادتی، نہ کہ نسبی شرف ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اس نبی کا بیٹا افضل ہو اس نبی سے کہ جس کا باپ نبی نہیں ہے اور نہ ہی ظاہری اطاعت کی کثرت باعث فضیلت ہے۔ کیونکہ ثواب مقدار کے اعتبار سے نہیں ہے اس لئے کہ ہمارا جبل احد کے برابر سونا خرچ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدد اور نصف مدد کو بھی نہیں پہنچتا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ نیکی کی اصل عمل میں اخلاص، حق سبحانہ کی محبت اور دوام حضور مع اللہ ہے اور یہ تمام باطنی امور ہیں اسی لئے بکر بن عبداللہ مرزنی

نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کثرت صوم و صلوة کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ جو چیز ان کے قلب مبارک میں ہے اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ کثرت ثواب تو حضرت شارع کے آگاہ فرمانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أَفْضَلُهُمْ عَلَى تَرْتِيبِ الْخِلَافَةِ وَالْمُرَادُ بِالْأَفْضَلِيَّةِ أَكْثَرُ الثَّوَابِ

(تکمیل الایمان) یعنی چاروں خلفائے کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے اور یہ افضلیت کثرت ثواب کی وجہ سے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ إِمَامٌ حَقٌّ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَلَا نَعْنِي الْأَفْضَلِيَّةَ
مِنْ جَمْعِ الْوُجُوهِ حَتَّى يَعْمَ النَّسَبُ وَالشُّجَاعَةُ وَالْقُوَّةُ وَالْعِلْمُ وَأَمْثَالُهَا
بَلْ هِيَ عِظَمُ نَفْحِهِ فِي الْإِسْلَامِ فَأَمِيرُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَزِيرَاهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بِإِعْتِبَارِ الْهَيْئَةِ الْبَالِغَةِ فِي إِشَاعَةِ الْحَقِّ فَإِنَّ لِلنَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهَيْنِ وَجْهٌ يَأْخُذُ عَنِ اللَّهِ وَجْهٌ يُعْطَى الْخَلْقَ
وَلَهُمَا فِي الْعَطَاءِ لِلْخَلْقِ تَأْلِيفًا لِلنَّاسِ وَجَمْعًا لَهُمْ وَتَدْبِيرًا لِلْحَرْبِ يَدٌ
طَوَّلَى (العقيدة الحسنة)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ہماری مراد افضلیت من جمیع الوجوہ نہیں ہے جو نسب، شجاعت، قوت اور علم وغیرہا کو عام ہو بلکہ افضلیت اسلام میں عظیم خدمات کی

وجہ سے ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کی امت کے لئے امیر اور آپ ﷺ کے وزیر اشاعتِ حق (اسلام) میں ہمت بالغہ کے اعتبار سے حضرات ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں، دوسری جہت سے مخلوق کو عطا فرماتے ہیں۔ لوگوں کی جمع و تالیف اور حربی تدبیر کے لئے اعطائے خلق میں ان دونوں حضرات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

واضح رہے کہ خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتقی، اکرم، اعظم درجہ، ارحم، افضل الامۃ، اعلم، اعلم بالسنۃ، اشجع جیسے اسم تفضیل کے صیغوں سے ملقب ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال علماء سے بالترتیب ثابت ہے۔

..... وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اللیل ۹۲: ۱۷)

..... إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَى (الحجرات ۴۹: ۱۳)

..... أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ (التوبہ ۹: ۲۰)

..... أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۹۰)

..... أَبُو جُحَيْفَةَ يَقُولُ دَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ فَقُلْتُ يَا أَفْضَلَ الْأُمَّةِ بَعْدَ

نَبِيِّهَا فَقَالَ مَهْلًا يَا أَبَا جُحَيْفَةَ أَخْبِرْكَ بِأَفْضَلَ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا؟

قُلْتُ نَعَمْ يَا بَنِي وَائِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۲۰۳۳)

..... وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۶۶)

..... أَنَّهُ كَانَ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ (المدخل الی السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث: ۴۲)

..... قَالَ عَلِيٌّ وَأَنَّهُ أَشْجَعُ الصِّحَابَةِ (تاریخ الخلفاء: ۱/۱۳)

..... هُوَ أَعْلَمُ الصِّحَابَةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ (صواعق محرقة: ۳۳)

مغالطہ آفرینوں کے لئے آپ ﷺ کا بصیرت افروز اور نصیحت آموز ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

راہ ہائے کہ بجنابِ قدس موصل اندو اندہ راہے ست کہ بقرب نبوت تعلق دارد علیٰ اَرْبَابِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ و موصل اصل الاصل ست واصلان این راہ بالاصالت انبیاء اند عَلَیْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ و صحابہ ایشان و از سائر امتان تا کراہین دولت بنوازند اگرچہ قلیل بوند بلکہ اقل و درین راہ توسط و حیولت نیست ہر کہ ازین واصلان فیض مے گیرد بے توسط احدے از اصل اخذ مے نماید و بیچ یکے دیگرے را حائل نیست و راہے ست کہ بقرب ولایت تعلق دارد اقطاب و اوتاد و بدلاء و نجباء و عامہ اولیاء اللہ بہ ہمیں راہ واصل اند و راہ سلوک عبارت ازین راہ ست بلکہ جذبہ متعارفہ نیز داخل ہمیں ست و توسط و حیولت درین راہ کائن ست و پیشوائے واصلان این راہ و سرگروہ لینا و منبع فیض این بزرگواران حضرت علی مرتضیٰ ست کَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيْمَ و این منصبِ عظیم الشان بایشان تعلق دارد درین مقام گویا ہر دو قدم مبارکِ آتسورِ عَلِيٍّ وَ عَلِيٍّ اِلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ برفرق مبارکِ اوست کَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ و حضرت فاطمہ و حضراتِ حنین رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ درین مقام بایشان شریک اند انکارم کہ حضرت امیر قبل از نشأ عنصری نیز ملاذ و ملجأ این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشأ عنصری و ہر کرا فیض و

ہدایت ازین راہ مے رسید بتوسط ایشان میرسید چہ ایشان نزد نقطہ منتہائے
 این راہ اند و مرکز این مقام بایشان تعلق دارد و چون دورہ حضرت امیر تمام
 شد این منصب عظیم القدر بحضرات حسنین ترتیباً مفوض و مسلم گشت و بعد
 از ایشان ہمان منصب بہر یکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب و التفصیل قرار
 گرفت (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۳)

یعنی جناب قدس کی طرف پہنچانے والے دورتے ہیں۔ ایک رستہ وہ ہے جس کا
 تعلق قرب نبوت ﷺ کے ساتھ ہے اور وہ اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راہ
 کے واصلین بالاصالت انبیاء کرام علیہم الصلوٰات اور ان کے صحابہ ہیں، باقی امتوں
 میں سے جسے چاہیں اس دولت سے نواز دیں لیکن وہ قلیل بلکہ اقل ہیں، اس راہ میں
 توسط اور حیلولہ نہیں ہے، جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی توسط
 کے اصل سے اخذ کرتا ہے، کوئی بھی ایک دوسرے کے لئے حائل نہیں ہے۔

دوسرا رستہ قرب ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اقطاب، اوتاد، ابدال و نجباء
 اور عام اولیاء اللہ سب اسی راہ سے واصل ہوئے ہیں، راہ سلوک سے مراد یہی راہ ہے
 بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور توسط اور حیلولہ بھی اسی راہ میں ثابت ہے اور
 اس راہ کے پیشوائے واصلین، سرخیل اور ان بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی مرتضیٰ
 رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا حضور
 اکرم ﷺ کے دونوں مبارک قدم آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سر مبارک پر ہیں، حضرت
 سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک ہیں۔
 میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر نشاء غصری سے پیشتر بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے
 جیسا کہ آپ نشاء غصری کے بعد ہیں اور جس کسی کو بھی اس راہ سے فیض و ہدایت پہنچتی

ہے وہ آپ ہی کے توسط سے پہنچتی ہے کیونکہ آپ اس راہ کے نقطہ انتہی کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز آپ سے تعلق رکھتا ہے، جب حضرت امیر کا دور ختم ہو گیا تو یہ عظیم القدر منصب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بالترتیب سپرد ہوا، ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشرہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو علی الترتیب و بالتفصیل دیا گیا۔

مسلم کلام

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور عالمگیر مذہب ہے جو بنیادی طور پر چار
عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱..... عقائد و ایمانیات ۲..... اعمال و عبادات

۳..... معاشرت و معاملات ۴..... اخلاقیات و سیاسیات وغیرہا

ان مذکورہ عنوانات میں اول درجہ عقائد کا ہے۔ عقائد کا مفرد عقیدہ ہے اور
عقیدہ، عقد سے مشتق ہے۔ عقد کا معنی باندھنا اور گرہ لگانا ہے یعنی چند بنیادی حقائق
کے متعلق یقین باطنی اور تصدیق قلبی کو اس طرح پختہ کرنا اور خیالات کو یوں مستحکم کرنا
جس طرح گرہ باندھی جاتی ہے، عقیدہ اور ایمان کہلاتا ہے۔ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور
عقائد اسلامیہ کے مسائل کو فقہ اکبر اور علم الکلام کہا جاتا ہے اور فقہ کے مسائل احکام
اجتہاد یہ کو فقہ اصغر کہا جاتا ہے۔

چونکہ دین اسلام ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک مذہب ہے اس لئے عقائد
اسلامیہ میں بھی کسی قسم کی افراط و تفریط اور کمی و بیشی نہیں پائی جاتی۔ اہل سنت و جماعت
جو دین اسلام کی سب سے بڑی وحدت اور مسلمانوں کی عالمگیر اکثریت ہے اس کے
عقائد بھی ہر قسم کے افراط و تفریط اور حشو و زوائد سے پاک و معتدل ہیں۔ کیونکہ اعتدال
میں ہی عافیت و خیریت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا سے

عیاں ہے۔ حضرت علامہ جیون صدیقی رقمطراز ہیں:

فَاتَّهَا مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ بَيْنَ الرِّفْضِ وَالْخُرُوجِ بَيْنَ
التَّشْبِيهِهِ وَالتَّعْطِيلِ الَّذِي فِي وَغَيْرِهَا وَعَلَى طَرِيقِ سُلُوكِ جَامِعِ بَيْنِ
الْمُحَبَّةِ وَالْعَقْلِ فَلَا يَكُونُ عِشْقًا مَحْضًا مُفْضِيًّا إِلَى الْجَذْبِ وَلَا عَقْلًا
صِرْفًا مُوَصِّلًا إِلَى الْإِلْحَادِ وَالْفَلْسَفَةِ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْهُ (نور الانوار: ۶) یعنی بے
شک عقائد اہل سنت، جبر یہ اور قدریہ، رافضیہ اور خارجیہ، تشبیہ و تعطیل کے درمیان
متوسط ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ ایسے ہی عقائد اہل سنت محبت اور عقل کے درمیان
جامع ہیں جو نہ تو محض عشق ہی ہیں کہ انسان کو کیفیت جذب تک پہنچادیں اور نہ ہی
صرف عقل پر انکا مدار ہے کہ انسان کو الحاد و فلسفہ (کفر) تک پہنچادیں، ہم اس قسم کے
فاسد عقائد سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

علم کلام کا تعارف

علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ اور اعتقادات اسلامیہ
کے متعلق بحث ہوتی ہے، جس کی تحصیل سے بندہ مؤمن عقائد دینیہ کا بذریعہ دلائل
اثبات اور مخالفین کے ایرادات کا ابطال آسانی کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ کے
وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے علم کلام کی باقاعدہ ترتیب و تدوین فرمائی بعد ازاں دیگر
علمائے اعلام نے منکرین کے شکوک و شبہات کو رفع کر کے اس فن کی ترویج و اشاعت
میں بھرپور کردار ادا کیا، فرق ضالہ کی دسمیہ کاریوں اور ملل باطلہ کی دھوکہ دہیوں سے
قصر اہل سنت کو متزلزل ہونے سے محفوظ کر دیا اور دین اسلام کے عالیشان محل کو انہدام
سے بچالیا، یوں بنحوائے آیہ کریمہ يُرِيدُونَ لِيُظْفَرُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ

مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (الف ۶۱: ۸) ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے سے مامون ہو گیا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جس طرح مسائل عملیہ فرعیہ میں اہل سنت کا اطلاق حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور

حنابلہ پر ہوتا ہے ایسے ہی مسائل کلامیہ میں اہلسنت کا اطلاق ماتریدیہ، اشعریہ اور

حنابلہ پر ہوتا ہے۔

جس طرح مسائل متفقہ میں جملہ مجتہدین متفق و متحد ہیں اور ان مسائل پر تمام

اہلسنت کاربند ہونگے ایسے ہی کتاب و سنت سے صراحتہ ثابت شدہ مسائل اعتقادیہ

میں تمام متکلمین اہلسنت متفق ہیں اور تمام اہلسنت ان مسائل کے معتقد و پابند ہونگے۔

البتہ جس طرح کتاب و سنت سے استنباط شدہ مسائل مختلفہ میں مقلدین اپنے

اپنے امام کے اجتہادی استنباطات اور فقہی تخلیقات کی تقلید و اطاعت کریں گے ایسے

ہی وہ مسائل اعتقادیہ جن میں قدرے اخفا و پوشیدگی ہے ان میں تمام اہلسنت اپنے

اپنے متکلم امام کی اجتہادی تحقیقات اور علمی تدقیقات کے پابند ہونگے۔

یوں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی

اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مقلدین بالترتیب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی

کہلوائیں گے اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی، حضرت امام ابوالحسن اشعری اور

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے پیروکار بالترتیب ماتریدی، اشعری اور حنبلی

کہلوائیں گے۔ فرقہ ظاہریہ اور جمہور اہل حدیث (محدثین کرام) بھی عقائد میں خود کو

حنبلی کہلواتے ہیں (بغیۃ الرائد)۔ حضرات مالکیہ اور شوافع عقائد کلامیہ میں حضرت امام

ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں اس لئے انہیں اشاعرہ یا اشعریہ کہا جاتا ہے جبکہ

جمہور احناف عقائد کلامیہ میں حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امام مانتے ہیں اس لئے انہیں ماتریدی کہا جاتا ہے۔

متکلمین ماتریدیہ اور متکلمین اشعریہ کے درمیان ۴۰ مسائل کلامیہ میں اختلاف ہے مگر علمائے کرام نے ان مسائل مختلفہ میں سے اکثر مسائل میں مطابقت کر کے اسے لفظی نزاع قرار دیا ہے مگر عقائد مجددیہ کے مطابق ۱۲ اور التون المعتبرہ کے مطابق ۱۳ مسائل میں ہنوز اختلاف پایا جاتا ہے۔

ماتریدیہ کا موقفِ اسلم ہے

عقائد اسلامیہ اور مسائل دینیہ انوار مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اس لئے ان کی فہم و تفہیم محض نور فراست اور کشف صحیح سے ہی ممکن ہے اور آپ کریمہ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ اور ارشاد نبوی بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً کے مطابق ہم من و عن ان کی تبلیغ و تفہیم کے مکلف ہیں۔ بنا بریں عقل نا تمام اور فلسفیانہ اطوار و استدلال کے ذریعے عقائد و مسائل کی تفہیم و تکمیل سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ورنہ بدیہی عقائد بحث و نظر کا شکار ہو جاتے ہیں اور معترضین اسی فلسفیانہ انداز کے ساتھ ان کی تردید و تغلیط کرتے ہیں جو اکابرین دین پر زبان طعن دراز کرنے کا باعث اور اسلاف کرام کا طریقہ ترک کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ علمائے اشعریہ نے فلسفی موشگافیوں کے ذریعے نظر و استدلال کا طریقہ ایجاد کیا جس سے شر بے مہار، مادر پدر آزاد اور ائمہ مجتہدین سے بد اعتقاد لوگ منظر عام پر آتے گئے یوں ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور لوگ مختلف گروہوں اور فرقوں میں منقسم ہو گئے جبکہ علم الہدیٰ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب و تلامذہ نے مقاصد پر اقتصار اور فلسفیانہ باریک بینیوں سے اعراض فرمایا (مبدأ و معاد منہا: ۴۲) اسی لئے حضرت امام

ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک متکلمین ماترید یہ کا موقف اسلم ہے۔
علامہ کوثری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

بلاد ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلا شرکتِ غیرے حدیثِ نبوی ﷺ کا سکہ جاری تھا۔ احادیث و آثار کا یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہتا آ نکہ ماوراء النہر کے امام السنۃ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ جن کو امام الہدیٰ کے لقب سے پکارا جاتا ہے وہ منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل و دلائل کی تحقیق و تدقیق کی نذر کر دیا اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل و مذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (اسلامی مذاہب)

حضرت امام ربانی علم کلام کے مجتہد ہیں

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز مسائل کلامیہ میں گو مشائخ ماترید یہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، مگر جب سے حضور اکرم ﷺ نے آپ کو واقعہ میں ”تواز مجتہدان علم کلامی (مبدأ و معاد منہا: ۲۸) کا مژدہ سنایا ہے تب سے علم کلام کے ہر مسئلہ میں آپ تقلید و تخمین کے لحاظ سے نہیں بلکہ الہام و فراست کی بناء پر خاص رائے اور مخصوص علم رکھتے ہیں۔ جس کا بین ثبوت آپ کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ میں جا بجا مسائل کلامیہ کا تذکرہ ہے۔ خصوصاً رسالہ کثیر البرکات جسے حضور اکرم ﷺ نے، اپنی امت کے مشائخ کی بہت بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف فرما، اپنے دست اقدس میں لئے ہوئے کمال کرم سے بوسہ دیا اور مشائخ کو دکھا کر فرمایا ”ایں نوع معتقدات می باید حاصل کرد“ اس قسم کے عقائد حاصل کرنے چاہئیں (دفتر اول مکتوب: ۱۶) بعض حضرات کے نزدیک رسالہ کثیر البرکات سے مراد دفتر اول مکتوب: ۲۶۶ ہے جو عقائد و مسائل دینیہ اور فضائل نقشبندیہ پر مشتمل ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی ان تحقیقاتِ غریبہ سے مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا بت پرست باشندہ جسے دعوتِ حق نہیں دی گئی اس کے جنتی اور جہنمی ہونے کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت کا اختلاف ہے۔

متکلمین اشاعرہ کا موقف

ان کے نزدیک شاہق الجبل صنم پرست دائمی جنتی ہے اگرچہ بت پرست ہے۔ کیونکہ اس تک کوئی دعوتِ حق نہیں پہنچی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (الاسراء: ۱۷: ۱۵) سے واضح ہے۔

متکلمین ماتریدیہ کا موقف

ان کے نزدیک شاہق الجبل بت پرست دائمی جہنمی ہے کیونکہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے بنا بریں اس پر جنت حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ إِنَّهُ مَن يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (المائدہ: ۵: ۷۲) سے عیاں ہے۔

حضرت ابن عربی کا موقف

ان کے نزدیک روز قیامت کسی پیغمبر کو اس قسم کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جائے گا جس نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جس نے قبولِ حق سے انکار کیا اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

حضرت امام ربانی کا موقف

آپ ارشاد فرماتے ہیں نزد ایں فقیر مستحسن نیست، چه آخرت دار جزا است نہ دار تکلیف تا بعثت پیغمبرے نمودہ آید اس فقیر کے نزدیک یہ مطابقت مستحسن نہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار تکلیف کہ کسی پیغمبر ﷺ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا جائے۔ مزید رقمطراز ہیں:

مدت مدید کے بعد عنایت خداوندی جل سلطانہ نے رہنمائی فرمائی اور اس معما کا حل منکشف فرمایا کہ یہ جماعت (پہاڑوں کے مشرک باشندے) نہ بہشت میں رہے گی نہ دوزخ میں بلکہ دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ان کا حساب و کتاب ہوگا اور ان کے گناہوں کے اندازے کے مطابق انہیں عتاب و عذاب ہوگا اور ادائیگی حقوق کے بعد غیر مکلف حیوانات کی مانند انہیں معدوم مطلق اور لاشیٰ کر دیا جائے گا فلہذا بہشت میں دائمی خلود کس کا ہوگا اور کون دوزخ میں جلے گا۔

آخر میں رقمطراز ہیں کہ

ایں معرفت غریبہ را چون در محضر انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات عرضہ نمودہ شد ہمہ تصدیق آن فرمودند و مقبول داشتند و العلم عند اللہ سبحانہ یعنی اس نادر معرفت کو جب واقعہ یا خواب میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے حضور پیش کیا گیا تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی تصدیق بھی فرمائی اور شرف قبولیت سے بھی نوازا۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب: ۲۵۹)

متابعۃ نبوی ﷺ

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

انسان کی سعادت ابدی اور شرافتِ سرمدی محبتِ الہیہ پر موقوف ہے اور اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول حضور اکرم ﷺ کی متابعت کے ساتھ مربوط ہے اور متابعتِ نبوی مرتبہ محبوبیت کے حصول کا باعث ہے آیہ کریمہ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ جس پر دلالت ہے۔
حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا

عجب ایں نیست کہ محبوبِ جہانی ز ہمہ
عجب آنت کہ محبانِ تو محبوباں اند

متابعتِ نبوی کی بدولت ہی صحابہ کرام، اہلبیتِ عظام، علمائے راہنہ اور عرفائے کاملین رضی اللہ عنہم تصفیہٴ قلوب اور تزکیہٴ نفوس سے شاد کام ہوئے، انہیں ظاہری و باطنی کمالات اور صوری و معنوی برکات حاصل ہوئے، انہیں حریمِ قدس تک رسائی نصیب ہوئی..... حجابات اٹھے اور عالمِ غیب کے اسرار کھلے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام

پذیر ہیں۔

يَصِلُونَ بِسُلُوكِهِ جَنَابَ الْقُدُسِ وَيُفْتَحُ عَلَيْهِمُ ابْوَابُ الْغَيْبِ قَالَ
النَّبِيُّ ﷺ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَثَهُ اللَّهُ عَلِمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ
اہلِ طریقت نے متابعت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱..... متابعت ظاہری

۲..... متابعت باطنی

متابعت ظاہری مرتبہ نبوت سے متعلق ہے اور متابعت باطنی مرتبہ ولایت سے۔
 مرتبہ نبوت سے ان احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم و جوہ سے بواسطہ جبریل
 (علیہ السلام) سرور عالم ﷺ پر نازل ہوئے اور آپ نے خلق خدا تک پہنچا دیئے۔ مرتبہ
 ولایت سے مراد وہ اسرار توحید و معرفت ہیں جو سرور کائنات ﷺ نے مقام لی مع اللہ
 سے بلا واسطہ جبریل (براہ راست) حق سبحانہ و تعالیٰ سے حاصل کر کے خاصان امت کو
 سکھا دیئے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب: ۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے متابعت نبوی ﷺ کے ذرہ کو دنیوی
 لذات اور اخروی تنعمات سے کئی مرتبے فاضل تر قرار دیا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں:
 ذرہ این متابعت مرضیہ از جمیع تلذذات دنیوی و تنعمات اخروی

براتب بہتر است (دفتر اول مکتوب: ۱۱۳)

خواجہ حکیم سنائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ متابعت نبوی ﷺ کی اہمیت و افادیت بیان
 کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن
 تا بود نور الہی با دو چشمت مقترن
 مژہ در چشم سنائی چون سنانے باد تیز
 گر سنائی زندگی خواہد زمانے بے سنن

متابعت نبوی ﷺ کے ہفت درجات

آنسرور ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجات و

مراتب رکھتی ہے۔

درجہ اول

عوام اہل اسلام کا ہے یہ تصدیق قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے قبل جو کہ درجہ ولایت سے مربوط ہے احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنتِ سنہ کی اتباع ہے۔ علمائے ظواہر، عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب اس درجہ میں مشترک ہیں۔ اس متابعتِ صوری کے حصول میں سب برابر ہیں۔ چونکہ نفس اس مقام میں کفر و انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے۔ متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی مانند آخرت کی فلاح اور خلاصی کا موجب، عذابِ نار سے نجات دلانے والی اور دخولِ جنت کی بشارت سنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ نے کمالِ کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق کے ساتھ مربوط فرما دیا ہے۔

درجہ دوم

آنسور رضی اللہ عنہ کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں جیسے اخلاق کی تہذیب، صفاتِ رذیلہ کی مدافعت، باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا ہے۔ متابعت کا یہ درجہ مقامِ طریقت سے متعلق اور ان اربابِ سلوک سے مخصوص ہے جو طریقہ صوفیاء کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیرالی اللہ کی وادیوں اور بیابانوں کو قطع کرتے ہیں۔

درجہ سوم

آنسور رضی اللہ عنہ کے احوال، اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایتِ خاص کے

مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب
سالک یا سالک مجذوب ہوں۔

درجہ چہارم

متابعت کا یہ وہ درجہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی یہاں اس
متابعت کی حقیقت ہے۔ متابعت کا یہ درجہ علمائے راہنما شکر اللہ تعالیٰ سعيہم
کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینانِ نفس کے بعد حقیقتِ متابعت کی دولت سے متحقق ہیں۔
اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل
ہو جاتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ اطمینانِ کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد حاصل
ہوتا ہے۔ یہ کمالات علمائے راہنما کو بطریق وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں
عارفِ مقطعات قرآنیہ کے اسرار کے فہم اور کتاب و سنت کے مشابہات کی تاویل سے
فائز المرام ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل ید کی قدرت اور وجہ کی تاویل ذات
سے کرنے کی مانند ہے کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کا اسرار سے کوئی
تعلق نہیں بلکہ یہ اسرارِ خاصہ ہیں جو بالا صالت انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہیں اور
وراثتاً صدیقین اور اولیاء کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس دولتِ عظمیٰ تک پہنچنا دوسرے
راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے زیادہ آسان اور اقرب ہے اور وہ سنتِ سنیہ کا
التزام اور بدعت نامرضیہ کے اسم و رسم سے اجتناب ہے۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی
ہے، کیونکہ سارا جہاں دریائے بدعت میں غرق اور سنتِ نبوی ﷺ سے دور ہے۔

درجہ پنجم

آنسور ﷺ کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حصول میں علم و عمل کا

کوئی دخل نہیں بلکہ ان کمالات کا حصول محض فضل ربانی اور احسانِ رحمانی پر موقوف ہے۔ یہ درجہ اس قدر بلند ہے کہ سابقہ درجات کو اس درجہ سے ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے۔ یہ کمالات بالاصالت اولوالعزم انبیائے عظام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کو ان کمالات سے مشرف فرمادیتے ہیں۔

درجہ ششم

آنسور ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسور ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا اسی طرح اس درجہ ششم میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو کہ تفضل و احسان سے فوق ہے۔ یہ درجہ اگرچہ بالاصالت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی تبعیت میں اولیائے صدیقین میں سے اقل قلیل کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجات مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعود (عروج) سے ہی مربوط ہے۔

درجہ ہفتم

متابعت کا یہ درجہ ہبوط و نزول سے متعلق ہے اور یہ درجہ سابقہ درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیقِ قلبی بھی ہے اور تمکینِ قلبی بھی، نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے، جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ سابقہ درجات گویا اس درجہ متابعت کے اجزاء تھے اور یہ درجہ ان اجزاء کے کل کی مانند ہے۔ اس درجہ میں پہنچ کر تابعِ متبوع کے اس قدر مشابہہ ہو جاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں (تابع و متبوع) متحد ہو گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان امتیاز ختم

ہو گیا ہے۔ کامل تا بعد اروہ شخص ہے جو ان سات درجات سے آراستہ ہو۔

(ملخصاً از دفتر دوم مکتوب: ۵۴ و مکتوبات سعید یہ مکتوب: ۸۵)

رَزَقْنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِحَقِيقَةِ الْمُتَابَعَةِ الْمَرْضِيَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَكَاتُ وَالشَّجِيئَةُ

نسبتِ نقشبندیہ

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

تمام صوفیاء کرام اس امر پر متفق ہیں کہ وصول الی اللہ کی سعادت کا حاصل ہونا سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ۳: ۳۱) اس امر پر دلیل تام ہے۔ چونکہ رحمت عالم ﷺ کی فردیت کامل و اکمل ہے اور آپ کی ذاتِ اقدس تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی صفات و کمالات کا مجموعہ ہے اور آپ ہی تمام انوار و تجلیات کا مورد اور مصدر ہیں۔ لہذا اولیاء کرام جب آپ کی اتباع میں وصول کے مرتبوں کی جانب گامزن ہوتے ہیں تو آپ کی فردیت کاملہ کی کوئی جہت اور حقیقت محمدیہ کی کوئی تجلی ان کے قلوب پر منعکس ہوتی ہے تو اس جہت یا تجلی سے اس ولی کا ایک خاص باطنی تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح طریقت میں نسبت کہا جاتا ہے۔ یہ خاص نسبت اس ولی سے منسوب ہونے والوں میں اتباع سنت و شریعت کی برکت سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے اور صوفیاء کے سلاسل میں نسبتوں کی یہی صورت اختلاف صوفیاء کی بنیاد ہے۔ اصولی طور پر تمام صوفیاء متحد الاصل ہیں البتہ مقصود کے حصول کے طرق و معالجات میں کسی قدر فرق ہے۔

نسبت علاقہ بین الطرفين کا نام ہے۔ نسبت سے مراد وہ ملکہِ راسخہ محمودہ ہے جو سالکِ اکتساب سے حاصل کرتا ہے اور وہ ملکہ اس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور اس کی صفت لازمی بن جاتا ہے اور اس کا مرنا جینا اسی پر واقع

ہوتا ہے۔ (سر دلبراں)

سلاسل کی نسبتوں کے متعلق حضرت سید نور الحسن عرف نور میاں رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آباد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت احمد میاں کے خلیفہ تھے) نے جو نہایت اہم امور بیان فرمائے ہیں وہ ملخصاً ہدیہ قارئین ہیں۔

نسبت سلاسل

سلسلہ نقشبندیہ

بزرگان نقشبندیہ میں نسبت صدیقی کا ظہور ہے۔ یہ طریقہ اقرب الطریق اور سہل الوصول ہے کہ معاملات صدیقی شاہد اسی معنی کے ہیں اور نسبت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ابراہیمی تھی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت کبریٰ حاصل تھی کہ

مَا صَبَّ اللَّهُ فِي صَدْرِي شَيْئًا إِلَّا وَقَدْ صَبَّبْتُهُ، فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ

(الاسرار المرفوعہ: ۳۴۲)

لہذا فیض اس نسبت کا القاء سینہ بہ سینہ ہے جو حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے شائع ہوا اور نسبت معیت روشن ہوئی۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرنے کا رواج تھا لیکن جب حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق اویسیست مستفیض ہوئے تو آپ نے دوبارہ اس سلسلے میں ذکر خفی کو جاری کیا۔

(مجموعہ رسائل: ۱۲ مطبوعہ کانپور ۱۹۱۳ء)

سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت خاصہ کا نام ”تجلی ذاتی دائمی ہے“ اور یہ نسبت تمام

نسبتوں سے بلند ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

كَمَا وَقَعَ فِي عِبَارَاتِهِمْ إِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِيعِ النِّسَبِ وَأَرَادُوا
بِالنِّسْبَةِ الْحُضُورَ الذَّاتِي الدَّائِمِي (دفتر اول مکتوب: ۲۱)

جیسا کہ اس سلسلے کے اکابر کی تحریروں میں ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند
و بالا ہے اور نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی دائمی ہے۔

قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ الغفار نسبت نقشبندیہ کی
جامعیت و عظمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ نسبت خواجگان قدس اللہ ارواہم آں
نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست و خلاصہ و منہائے مجموع طریقہاست (فقرات: ۳۸)
یعنی نسبت خواجگان قدس اللہ ارواہم وہ نسبت شریفہ ہے جو جمیع نسبتوں کی جامع
ہے اور تمام طریقوں کا خلاصہ و منہا ہے۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

خواجگان این سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بہر زرقاقی و ورقاصی
نسبت ندارند کارخانہ ایشان بلند است (مکتوب: ۲۳۳)
اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کسی مکار اور رقا ص کے
ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے۔

چونکہ اس نسبت کا اقتباس حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت سے ہوا
ہے۔ لہذا جس طرح آپ تمام امت سے افضل ہیں اسی طرح آپ کی نسبت بھی تمام
نسبتوں سے افضل ہے۔

اس نسبت میں لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کا فیضان شامل ہونے کی وجہ سے اس
کے مزاج و مذاق میں حضور و سرور، سکون و اطمینان اور معیت و محبت ذاتیہ کا غلبہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے إِنَّ اللَّهَ لَيَتَجَلَّى لِلنَّاسِ عَامَّةً وَيَتَجَلَّى لِأَبِي بَكْرٍ خَاصَّةً (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۲۶۲۹) *

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں پر عام تجلی فرماتا ہے اور ابو بکر پر خاص تجلی فرماتا ہے۔ شاید اس خاص تجلی سے مراد ”تجلی ذاتی دائمی“ ہے۔ (واللہ اعلم)

سلسلہ نقشبندیہ میں دو راستوں سے فیض آتا ہے ایک راستہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا راستہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ باقی تمام سلاسل طریقت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعے واصل ہوتے ہیں اور حضرات نقشبندیہ دونوں راستوں سے واصل بالذات ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام حضور و آگاہی سب سے اعلیٰ و بالا ہے اسی لئے اس سلسلہ کو ”سلسلۃ الذہب“ کہا گیا ہے۔

سلسلہ قادریہ

بزرگانِ قادریہ میں نسبت فاروقی کا ظہور ہے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت موسوی تھی۔ اسی بناء پر جلالت الہیہ اور تصرفات عظیمہ اس سلسلے کی مناسبت ہے جو حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے ظہور پذیر ہوئی۔ (مجموعہ رسائل: ۱۳)

سلسلہ سہروردیہ

بزرگانِ سہروردیہ میں نسبت عثمانی کا ظہور ہے اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

دوسری حدیث یوں ہے يَا أَبَا بَكْرٍ! أَعْطَاكَ اللَّهُ الرِّضْوَانَ الْكَبِيرَ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ الْقَوْمِ وَمَا الرِّضْوَانُ الْكَبِيرُ قَالَ يَتَجَلَّى اللَّهُ لِعِبَادِهِ فِي الْآخِرَةِ عَامَّةً وَيَتَجَلَّى لِأَبِي بَكْرٍ خَاصَّةً (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۳۶۳)

کی نسبت نوحی تھی۔ حضرت نوح عليه السلام کی دعوت کو قبول کم ہوا اور امت نے ایذا پہنچائی، حضرت عثمان بھی شہید ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے کا رواج بھی کم ہے البتہ اس طریقے میں عبادات اور تعمیر اوقات کی طرف بڑا التفات ہے۔

سلسلہ چشتیہ

بزرگانِ چشتیہ میں خاص طور پر نسبت علوی کا ظہور ہے اور وہ فیضِ عینیت کہ عَلِيٌّ مِثِّيْ وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۱۹) سے عبارت ہے اس طریقے میں بہت ہے اور فنا فی الشیخ کا یہی منشاء ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نسبت عیسوی تھی تو اس میں وَنَفَعْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ کی مناسبت ہے کہ چشتیہ کا درد بے سماع آرام پذیر نہیں ہوتا۔ (مجموعہ رسائل: ۱۳)

تصریحاتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ طریقت کے چاروں بڑے سلسلے خلفائے اربعہ کی نسبتوں کے مظاہر ہیں اور سالکین کا سلوک انہی چار طریقوں پر واقع ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے رسالہ مکاشفاتِ عینیہ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قربِ الہی کے لئے دور استے ہیں۔ پہلا راستہ قربِ نبوت کا ہے..... دوسرا راستہ قربِ ولایت کا ہے۔

قربِ نبوت کا فیض..... حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔

قربِ ولایت کا فیض..... حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے ملتا ہے۔ باقی دونوں خلفاء (حضرت فاروق و عثمان رضی اللہ عنہما) بھی قربِ نبوت کے سلوک سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کا سلوک سیرِ انفسی سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلوک سیرِ آفاقی سے تعلق رکھتا ہے۔ گو دونوں سلوک مشکوٰۃ انوار

نبوت سے مقتبس ہیں لیکن دونوں حضرات کے ساتھ علیحدہ علیحدہ طور پر مخصوص ہو گئے ہیں۔

دوسرے سلاسل (قادر یہ، سہروردیہ اور چشتیہ وغیرہا) اکثر طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق قرب ولایت کے ذریعے مقصود تک پہنچتے ہیں جبکہ سلسلہ نقشبندیہ دونوں طریقوں (قرب نبوت اور قرب ولایت) سے موصل ہے لیکن قرب نبوت کی نسبت اس میں غالب ہے۔ تمام سلسلوں کے اکابر مشائخ ابتدائی دور میں اسی نسبت کا سلوک طے کر کے مقصود تک پہنچتے رہے مگر بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسلک کا شیوع ہوا تو اکثر مشائخ نے اسی مسلک کو اختیار کر لیا اس کی دو وجہیں تھیں۔

پہلی وجہ..... یہ کہ حضرت صدیق اکبر کے مسلک میں پوشیدگی و خفا کی وجہ سے مبتدی کو اس پر چلانا دشوار تھا جیسا کہ عارف جامی نے فرمایا:

نقشبنداں عجب قافلہ سالار اند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

اسی طرح حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مسلک میں پوشیدگی تھی ان پر چلنا بھی آسان نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ظہور رکھتا تھا۔ لہذا آسان ہونے کی وجہ سے یہی مسلک ظاہر زیادہ شائع ہوا۔

دوسری وجہ..... یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ ارشاد تینوں خلفاء کرام رضی اللہ عنہم سے پیچھے ہے۔ لہذا سلاسل کا انتساب قرب زمانہ کی بناء پر انہی کے ساتھ ہوا۔

اس سے یہ مفہوم ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ تسلیک و تکمیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص و منحصر ہے اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم غیر مکمل تھے (نعوذ باللہ منہا) یہ بہت بڑی جسارت ہے جن لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی انہوں نے صرف حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مسلک پر سلوک طے کیا اور خلفائے ثلاثہ کی راہوں سے بے خبر رہے اور اسی بے

خبری میں دوسری راہوں کی نفی کر دی۔ رسالہ مکاشفاتِ عینیہ میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک سے سلوک طے کر کے ترقی کرتے ہوئے غیبِ ذات تک پہنچے ہیں۔

نسبت نقشبندیہ مجددیہ کی انفرادیت

انہی اختصاصاتِ سلاسل کی بنیاد پر صوفیاء میں مخصوص مکاتیب فکر قائم ہوئے وہ اپنی نسبتوں اور طبائع کے میلان سے مجبور ہو کر ایک جانب عملاً مائل ہوتے ہیں اور دوسری جانب سے طبعاً گریز کرتے ہیں۔ یہ مقتضائے نسبت ہی ہے جو حضراتِ نقشبندیہ کو تواجد، ذکر بالجہر اور رقص و سماع سے دور رکھتا ہے کیونکہ ان کی نسبت صدیقی ہے، ان کا طریق فیض القائے سینہ بہ سینہ ہے۔ چونکہ ان کی سیرا نفسی ہے لہذا اس نسبت میں سکوت و اخفاء اور دوام حضور کا غلبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سلسلہ نعرہ ہائے اشتیاق اور رقص و سماع کی طرف التفات نہیں رکھتا اور اس سلسلے میں شرع کے جواہر نفیسہ دے کر وجد و حال کے اخروٹ و منقہ نہیں خریدتے اور نص (کتاب و سنت) کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم) کی طرف نہیں جھکتے اور فتوحاتِ مدنیہ (وحی) کے مقابلے میں فتوحاتِ مکیہ (کشف) کی طرف التفات نہیں کرتے۔ امام طریقت عارف برحق حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسی نسبت کی تجدید و احیاء پر مامور ہوئے ہیں۔

سماع و رقص اور وجد امام ربانی کی نظر میں

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصحابِ وجد و حال، اربابِ قلوب میں سے ہیں۔ اربابِ تمکین کو وجد و حال اور رقص و سماع کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی چنانچہ

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

سمع و وجد جاءه رافع است که بتقلب احوال متصف اند و بہ
تبدل اوقات قسم وقتے حاضر اند و وقتے غائب گاہے واجد اند و گاہے فاقہ
ایشانند ارباب قلوب --- (دفتر اول مکتوب: ۲۸۵)

کچھ آگے فرماتے ہیں:

فَهُمْ أَبْنَاءُ الْوَقْتِ وَمَغْلُوبُونَ فَمَرَّةٌ يَعْرُجُونَ وَأُخْرَى يَهْبِطُونَ
ارباب تجلیات ذاتیہ کہ تمام از مقام قلب برآمدہ بمقلب قلب پیوستہ اند و
بہ کلیت از رقیب احوال بمحول احوال محرر گشتہ اند محتاج بہ سماع و وجد
نیستند چہ وقت ایشان دائمی است و حال شان سردی لا بَلْ لَا وَقْتٌ
لَهُمْ وَلَا حَالٌ فَهُمْ أَبَاءُ الْوَقْتِ وَ أَرْبَابُ التَّمَكِينِ وَ هُمُ الْوَاصِلُونَ
الذِّينَ لَا رُجُوعَ لَهُمْ أَصْلًا وَ لَا فَقْدَ لَهُمْ قَطْعًا فَمَنْ لَا فَقْدَ لَهُ لَا
وَجْدَ لَهُ

ترجمہ: سماع اور وجد اس جماعت کے لئے مفید ہے جو تقلب احوال سے (جن کے
احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور تبدیلی اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک
وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ واجد (اپنے
مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقہ (گم کرنے والے) یہ لوگ ارباب
قلوب ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ابن الوقت (وقت کے بیٹے) ہیں اور وقت کے مغلوب
ہیں کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آجاتے ہیں) (لیکن ان کے برعکس)
ارباب تجلیات ذاتیہ جو مقام قلب سے کلی طور پر باہر آ کر مقلب قلب (حق تعالیٰ)
کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیتہً احوال کی غلامی سے نکل کر محول احوال (احوال کو

تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ لوگ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سردی ہے، نہیں بلکہ ان کے لئے نہ وقت ہے اور نہ حال۔ یہ لوگ ابوالوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحاب تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہو سکتا) لہذا جن کے لئے فقد نہیں ان کے لئے وجد بھی نہیں۔

اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں:

آرام این بزرگواران بہ عبادات است و تسکین در ادائے حقوق بندگی و طاعات۔۔۔۔۔ ایشان را احتیاج بہ سماع و وجد نیست عبادات ایشان را کار سماع می کند و نورانیت اصل از عروج کفایت می بخشد جماعہ مقلدان از اہل سماع و وجد کہ بر عظیم شان این بزرگواران واقف نیستند خود را از عشاق می گیرند و ایشان را از زہاد گویا عشق و محبت را منحصر در رقص و وجد میدانند

ترجمہ: ان بزرگواروں کا آرام و چین عبادات میں ہے اور ان کی تسکین بندگی و طاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے ان کو سماع و وجد کی کچھ حاجت نہیں ان کی عبادات ان کے لئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے اہل سماع و وجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جو ان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں گویا یہ لوگ عشق و محبت کو رقص و وجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

مبتدی را سماع و وجد مضر است و منافی عروج ہر چند بشرائط واقع شود
 وجد او معلول است حال او وبال است حرکت او طبعی است تحریک او
 مشوب بہ ہوائے نفسانی و آغشی بالمبتدئی من لا یكون من ارباب
 القلوب و ارباب القلوب متوسطون بین المبتدیین و المنتہیین

(دفتر اول مکتوب: ۲۸۵)

ترجمہ: مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اور عروج کے منافی ہے
 اگرچہ شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو اس (مبتدی) کا وجد علت کی وجہ سے ہے لہذا
 اس کا حال وبال ہے اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کا تحریک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے
 اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو ارباب قلوب میں سے نہیں ہے اور ارباب
 قلوب وہ ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطین) میں ہوتے ہیں۔

حقیقت نماز سے بے خبر

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

جم غفیر ازین طائفہ تسکین اضطراب خود را از سماع و نغمہ و وجد و تواجہ جنتند
 و مطلوب خود را در پردہائے نغمہ مطالعہ نمودند لاجرم رقص و رقاصی را
 دیدن خود گرفتند بآنکہ شنیدہ باشند مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً بِلِ
 الْغَرِيبِ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِيئَةٍ وَ حُبُّ الشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ اگر شہ از
 حقیقت کالاتِ صلوتیہ برایشان منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ
 نزدندے و یاد وجد و تواجہ نہ کردندے۔

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (دفتر اول مکتوب: ۲۶۱)

ترجمہ: اس طائفہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنا لیا ہے حالانکہ انہوں نے سنا ہوگا مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی) ہاں الْغَرِيقُ يَتَّعَلِقُ بِكُلِّ حَشِيشٍ وَ حُبِّ الشَّيْءِ يُعْبِي وَيُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے

ع جب حقیقت نہ ملی ڈھونڈ لی افسانے کی راہ

بدعت فی الطریقت

حضرت امام ربانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

جماعہ از متاخرین خلفائے ایشان ترک اوضاع این بزرگواران گرفتہ بعضے امور دین طریق احداث نمودہ اند و سماع و رقص و جہر اختیار کردہ منشاء آن عدم وصول است بہ حقیقت نیات اکابر این خانوادہ بزرگ خیال کردہ اند کہ بہ این محدثات و مبدعات تکمیل و تتمیم این طریقہ می نمایند اندکے در تخریب و اضعاف آن می کوشند (دفتر اول مکتوب: ۲۸۶)

ترجمہ: سلسلہ نقشبندیہ کے خلفائے متاخرین کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے اوضاع و اطوار کو ترک کر کے بعض ایسے نئے امور مثلاً سماع و رقص اور ذکر جہر اختیار کر لیے ہیں۔ اس کی وجہ عدم وصول ہے یہ لوگ اس بزرگ خاندان کے اکابرین کی

نیتوں کی حقیقت تک نہیں پہنچے اور خیال کر بیٹھے ہیں کہ ان محدثات (نئی باتوں) اور مبدعات (بدعتوں) سے اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح سے وہ طریقہ کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اپنی طریقت کی حفاظت اہم ترین امر ہے

آج کل اکثر نقشبندی اور مجددی حضرات حضرت امام ربانی قدس سرہ کے مسلک کے برعکس تواجد، ذکر جہر اور رقص و سماع کی رسموں پر عمل پیرا ہیں اور اس نسبت جامعہ کے باطنی فیوض و برکات سے خالی ہیں اور دوسرے سلاسل کی طرح اس سلسلہ کے لوگوں میں بھی تعلیم و تربیت کا تفاوت اور عملی طریقت کا فقدان نظر آ رہا ہے۔ افسوس کہ اس خالص نسبت کے حامل افراد بہت کم ہیں اور یہ نسبت کبریت احمر (سرخ گندھک) سے بھی زیادہ نایاب ہے۔

اس کی چند وجوہات ہیں

پہلی وجہ..... یہ ہے کہ انہوں نے اس نسبت کی اصل حقیقت سے بے خبری کی بناء پر محض اپنی دکانوں کو چکانے کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔

دوسری وجہ..... یہ ہے کہ مجددی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جس ذہانت، استعداد اور اخلاص کی ضرورت تھی اس کے فقدان سے اس نسبت کے صحیح خدو خال اپنے مریدوں پر واضح اور دارونہ کر سکے اور خود بھی اس نسبت کی علمی اور عملی تشکیل سے محروم رہ گئے۔

تیسری وجہ..... یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی نسبت کے ساتھ ساتھ دوسری نسبتوں سے بھی اختلاط و انتساب رکھتے ہیں۔ لامحالہ اپنے مزاج کی مجبوری اور اپنی

طبع کے میلان کے سبب جس نسبت کا غلبہ پاتے ہیں اسی پر فریفتہ ہو کر وہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ (وَلِلنَّاسِ قِيَمًا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبًا) حالانکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ السجانی نے اپنی نسبت میں دوسری نسبت کو خلط ملط کرنے پر سختی سے منع فرمایا ہے۔

آپ نے ارقام فرمایا:

احدائے کہ در طریقت پیدا کنند نزد فقیر کم از بدعتے نیست..... چون امر محدث در طریقت پیدا شد راہ فیوض و برکات آن طریق مسدود گشت پس محافظت طریقت از اہم مہام آمد (دفتر اول مکتوب: ۲۶۷)

ترجمہ: وہ نئی بات جو طریقت میں پیدا کرتے ہیں فقیر کے نزدیک بدعت سے کم نہیں جب کوئی نیا طریقہ سابقہ طریقت میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنی طریقت کی حفاظت اہم ترین امر ہے۔

اہل سنت اور اہل بدعت
حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کی نظریں

کتاب و سنت کی روشنی میں مسلک حق اہلسنت و جماعت کی تعبیر و تشریح
اسلام کی آسان اور سادہ تعبیر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے جو کچھ ہمیں کرنے کا
حکم دیا اور جس کام سے منع نہ کیا وہ اسلام ہے اور جس سے روک دیا وہ اسلام نہیں
ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)

ترجمہ: اور رسول کریم ﷺ جو کچھ تم کو دیں وہ لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس کام سے
روک دیں اس سے رک جاؤ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام
کو دل و جان سے قبول کیا، اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالا اور وہ
ہر امتحان و ابتلاء میں ثابت قدم رہے۔ ان کا جذبہ اطاعت و استقامت بارگاہ
خداوندی میں اس قدر مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز زندگی کو معیار حق قرار دے دیا اور ان کی اتباع کرنے والوں
کو اپنی رضا اور کامیابی کی سند عطا فرمادی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي

تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ ۹: ۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ (صحابہ کرام) جنہوں نے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) پہلے پہل ہجرت کی اور آپ کی نصرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آئیے والے) لوگ ان (صحابہ کرام) کی اچھے طریقے سے اتباع کریں گے اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ بعد میں آنے والے جو لوگ صحابہ کرام کی اتباع کریں گے وہی اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہریں گے۔

کتاب و سنت، دین اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمَا بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۴۳۳۸)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے ان میں ایک تو خدا کی کتاب ہے اور دوسری رسول خدا کی سنت ہے۔

فلہذا ثابت ہوا کہ مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ سے وابستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت کے حاملین اور طریق صحابہ کے حاملین اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔

متعدد احادیث مبارکہ میں سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت و التسلیمات) اور جماعت صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

﴿ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْتَدِينَ ﴾

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۷)

ترجمہ: پس میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کو لازم پکڑو۔

❁ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث: ۱۹۷)

ترجمہ: جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت سے نہیں۔

❁ (عن معاوية) إِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدًا فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۵۹۷)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ ”جماعت“ ہے

قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

ترجمہ: صحابہ نے پوچھا وہ ناجی گروہ کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر ہوگا۔

❁ عَنْ ابْنِ عُمَرَ... قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

(المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۹۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

بجہ تعالیٰ حقائق بالا کے پیش نظر اظہار من الشمس ہوا کہ قرآن و حدیث کی روشنی

میں مسلک اہلسنت و جماعت ہی حق و صداقت کا عنوان ہے۔

سنت کا مفہوم

سنت کا لفظ لغت میں چہرہ، پیشانی، صورت، سیرت، طریقہ، راستہ، نہج وغیرہ کے

معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

.....السُّنَّةُ الطَّرِيقَةُ الْمَحْبُودَةُ الْمُسْتَقِيمَةُ وَلِذَا لِكَ قِيلَ فَلَانُ مِّنْ
أَهْلِ السُّنَّةِ مَعْنَاهُ مِّنْ أَهْلِ الطَّرِيقَةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمَحْبُودَةِ

(لسان العرب باب السنن جز ۱۳: ۲۲۰)

ترجمہ: سنت، اچھے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص
اہل سنت سے ہے یعنی اچھے اور سیدھے راستے والوں سے ہے۔

.....اصول فقہ کی کتابوں میں سنت کی تعریف یہ ہے:

مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَيْرِ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ

(مسلم الثبوت مع شرح فوائح الرحموت از علامہ محب اللہ بہاری)

ترجمہ: سنت وہ امور ہیں جو حضور ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ صادر ہوئے ہیں قول یا
فعل یا تقریر کی صورت میں۔

.....حدیث میں جہاں کہیں لفظ سنت آیا ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی
ہے کہیں اضافت کے ساتھ اور کہیں اضافت کے بغیر بھی لفظ سنت کا اطلاق سنت نبوی پر
ہی کیا گیا ہے۔ (کما صرح فی اکثر کتب الحدیث)

.....حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالسُّنَّةِ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فِي الدِّينِ

(اشعة اللمعات جلد اول)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر کر دیا گیا۔

الغرض رسول اکرم ﷺ نے ہمارے عمل کے لیے جو راہ دین متعین فرمادی ہے

اس راہ کو سنت کہتے ہیں۔

حدیث اور سنت کا فرق

لغوی معنی کے لحاظ سے حدیث، حکایت اور واقعے کو کہتے ہیں اور سنت کے معنی ہیں طریقہ اور راستہ اس لحاظ سے حدیث اور سنت کے معنوں میں اختلاف ہے۔ تاہم محدثین کے ہاں سنت اور حدیث میں فرق صرف یہ ہے کہ:

سنت اس حدیث کو کہتے ہیں جو سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء تک پہنچی ہو (یعنی حدیث مرفوع)

حدیث کا اطلاق تابعین اور تبع تابعین کے اقوال اور تقاریر پر بھی ہوتا ہے جسے محدثین حدیث موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔

حضرت امام ابن ہمام کے نزدیک حدیث، سنت اور اسناد کے مجموعے کا نام ہے۔

حجیت سنت

قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ، سنت ہے۔ قرآنی تعلیمات کی صحیح تفسیر و تشریح صرف سنت ہی کے ذریعے کی جاسکتی ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ کے فرائض بعثت میں شامل ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران ۳: ۱۶۴)

حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ رسول کی شرعی حیثیت اور اس کے اصلی مقام و منصب سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور رسول کی معرفت حاصل کرنے میں تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ رسول و نبی کی حیثیت صرف پیغام رساں ہی کی نہیں بلکہ آپ مطاع، مخدوم، امام، ہادی، حاکم، قاضی و حکم بھی ہیں اور آپ کی یہ حیثیات قرآن کریم نے ہی متعین کی ہیں۔

عہد حاضر میں جو لوگ سنت کو حجت شرعی ماننے سے انکار کر رہے ہیں وہ خود بھی

گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ بنا رہے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

حالانکہ دین کی بنیاد حضور ﷺ کی سنت پر استوار ہے۔ سنت کے ذریعے اذان کا طریقہ رائج ہوا، نماز کے اوقات متعین ہوئے، نماز کی رکعات مقرر ہوئیں، زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی مقدار معلوم ہوئی، حج کے ارکان واضح ہوئے، روزے کے تفصیلی احکام ثابت ہوئے، حلال و حرام اشیاء کی فہرست معلوم ہوئی۔ علاوہ ازیں عبادات و احوال شخصیہ، حقوق و معاملات، معاشرے کے باقی احکام، جہاد، صلح و امن، حدود و تعزیرات اور قصاص وغیرہم ہر نوع کے اکثر احکام، امت کے لیے لازم العمل ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طالب حق کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک منکر سنت ملا اور غلطی سے میں بھی اس کا ہم خیال ہو گیا تھا، مگر مجھ پر جلدی ہی حق واضح ہو گیا، کیونکہ انکار سنت سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے اگر تھوڑی سی زکوٰۃ بھی ادا کر لی تو وہ عہدہ برآء ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی نے تھوڑی سی نماز ہی اگرچہ ایک دن میں بلکہ کئی ایام میں صرف دو رکعتیں ہی پڑھی ہوں کیونکہ منکر سنت کے خیال میں جو بات قرآن مجید میں نہیں وہ کسی پر فرض نہیں جبکہ نمازوں کی رکعات اور مقدار زکوٰۃ قرآن مجید میں نہیں۔ (کتاب الام ۷: ۲۵۲)

حضرت خالد بن اسید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ قرآن مجید میں عام نماز کا حکم بھی ملتا ہے اور صلوٰۃ خوف کا حکم بھی ملتا ہے مگر صلوٰۃ سفر کا ذکر نہیں ملتا؟ انہوں نے جواب دیا بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا تھا تو اس سے پہلے ہم خود کچھ نہ جانتے تھے۔ اب ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جس پر ہم نے حضور ﷺ کو عمل کرتے دیکھا۔

(مسند امام احمد، رقم الحدیث: ۵۳۴۳)

مندرجہ بالا اقوال و بیانات سے ظاہر ہوا کہ

سنت..... قرآن کے احکام کی عملی شکل ہے۔

سنت..... قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے۔

سنت..... قرآن کے متن کی تشریح ہے۔

سنت..... قرآنی ہدایات کو منشاء الہی کے مطابق نافذ اور جاری کرتی ہے۔

یہی معنی قرآن کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل: ۱۶: ۴۴)

ترجمہ: تاکہ (اے محبوب ﷺ) واضح اور روشن کریں آپ لوگوں پر وہ جو کچھ ہم نے (قرآن کی شکل میں) ان پر نازل کیا اور تاکہ وہ خوب غور و فکر کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک حدیث سنائی تو کسی شخص نے

درمیان کلام میں کہا کہ کتاب اللہ میں اس کے خلاف ایک بات ہے۔ انہوں نے فرمایا

کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سناؤں اور تم اس میں

کتاب اللہ کے نام سے اعتراض پیدا کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب کے

عالم تھے۔ (سنن الداری، رقم الحدیث: ۵۹۰)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلسنت

سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

أَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ فَالْمُتَمَسِّكُونَ بِمَا سَنَّهَ اللَّهُ لَهُمْ وَرَسُولُهُ

(حاشیہ مسند احمد ۶/۳۱۵)

ترجمہ: بہر حال اہلسنت وہ ہیں جو تمسک کرنے والے ہیں ان قوانین سے جن کو اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بنایا ہے۔

..... ایک روایت کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بصرہ کی جامع مسجد

میں خطبہ دے رہے ہیں کہ ایک شخص اچانک کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے:

أَخْبِرْنِي مَنْ أَهْلُ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ أَهْلُ الْفِرْقَةِ وَمَنْ أَهْلُ الْبِدْعَةِ
وَمَنْ أَهْلُ السُّنَّةِ...؟

ترجمہ: یعنی مجھے اہل الجماعۃ، اہل الفرقتہ، اہل البدعۃ اور اہل السنۃ کے متعلق خبر دیجئے؟
چنانچہ آپ نے جواب دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

”کہ اہلسنت خدا تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کے تیار کردہ اور منتخب شدہ مذہب سے
تمسک کرتے ہیں۔ قریب ہے کہ میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے

1..... حد سے زیادہ محبت کرنے والے (یعنی رافضی)

2..... مجھ سے بغض رکھنے والے (یعنی خارجی)

پس لوگوں میں بہترین درمیانہ عقیدہ رکھنے والے ہوں گے۔ پس اے لوگو تم
اس عقیدے کو لازم پکڑو:

وَالزُّمُورِ السَّوَادِ الْأَعْظَمِ فَإِنَّ يَدَ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (نہج البلاغہ ۱۱/۲)

ترجمہ: اور سواد اعظم (اہلسنت) کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تیسرے گروہ کو حق پرست اور پہلے
دو گروہوں کو باطل پرست قرار دے کر اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور صداقت پر
مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ (والحمد لله على ذلك)

مسلك اہل السنۃ والجماعۃ ہی معیار حق ہے

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہما ایک حدیث

کی وضاحت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ هُمُ الصَّحَابَةُ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا قَالَ

النَّاجِي مِنْهَا وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ هُمْ قَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ
وَالْجَمَاعَةِ فَقِيلَ وَمَا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

(احیاء العلوم ۳: ۲۳۰)

ترجمہ: فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ) صحابہ کرام ہیں اس لیے کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا
فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے تو صحابہ کرام نے عرض کی وہ کونسا فرقہ ہے؟..... تو آپ ﷺ
نے فرمایا وہ اہلسنت وجماعت ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ اہل سنت کون ہیں؟
تو ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

..... سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے

وَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۹۵)

ترجمہ: یعنی سب سے بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔

..... غوث صمدانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يَقُولُ الْمُرَادُ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ هُمْ مَنْ

كَانَ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ (الميزان الكبرى ۱: ۳۰۰)

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سواد اعظم سے مراد اہلسنت و
جماعت ہیں۔

..... قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بالجملة طريق النجاة متابعة اهل السنة والجماعة فانهم

الفرقة الناجية اما سواهم من الفرق فهم في معرض الزوال و

شرف الهلاك (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب: ۶۹)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ آخرت کی نجات کا دار و مدار اہلسنت وجماعت کی

تابعداری پر ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ ہے ان کے علاوہ جتنے فرقے ہیں سب زوال کے

مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

اہلسنت کی تاریخی حیثیت

اہلسنت، مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قدیم جماعت ہے جو قرآن حکیم، سنت رسول اور آثار صحابہ کرام پر عمل پیرا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلسنت کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی ہے: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي
ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو میرے طریقے (سنت) اور میرے اصحاب کے مسلک پر ہیں۔
ابن تیمیہ کے نزدیک اہل سنت و جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔

(منہاج: ۱: ۲۵۶)

..... تمام جلیل القدر آئمہ مثلاً امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام ثوری وغیرہم ﷺ اسی جماعت میں شامل ہیں۔ (الفرق بین الفرق: ۲۰)

..... دور خلافت راشدہ بلاشبہ اہلسنت کا دور کہلاتا ہے۔ اس کے بعد تابعین، تبع تابعین بھی اسی مسلک پر گامزن رہے۔ ۱۲۰ھ میں جب حضرت امام ابوحنیفہ مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے تو خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ کے بعد حضرت امام ابو یوسف کو قاضی القضاة کے عہدے پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں سنی حنفی مذہب کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

..... حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ کے تلامذہ کے ذریعے حرین شریفین، دمشق، مصر، یمن، بحرین، بغداد، ہمدان، نیشاپور، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات وغیرہا تک مسلک اہلسنت (حنفی) کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے عہد میں بھی مسلک اہلسنت کو خوب شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اسی لیے المتوکل کو وحی السنۃ کا خطاب ملا۔ (مروج الذهب)

..... تیسری چوتھی صدی ہجری میں اتحاد امت کو برقرار رکھنے اور معتزلہ کے رد عمل کے طور پر اہلسنت کی دو طاقتور تحریکیں میدان عمل میں اتریں۔ ان میں ایک تو اشاعرہ کی تحریک تھی جس کے بانی حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دوسری تحریک ماتریدیہ کی تھی جس کے بانی حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دونوں تحریکیں اہلسنت کے عقائد کی حفاظت و حمایت کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ اگرچہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہوا مگر وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ (ظہر الاسلام)

..... مصر اور شام میں سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) اور ان کے وزیر القاضی الفاضل نے مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دے کر تائید و تقویت پہنچائی اور بدعات کو یکسر ختم کرنے کا فرمان بھی جاری کیا۔

..... اسی طرح مغربی افریقہ اور اندلس میں بھی مسلک اہلسنت کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی۔

..... فاتح سومنات حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دور حکومت میں مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں خاندان معینہ کے دو بادشاہوں شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر نے بھی مسلک اہلسنت کی تابناک اور شاندار خدمات انجام دیں۔

..... بالآخر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات نے مسلمانوں کی تقدیر بدل کر رکھ دی اور افغانستان و ترکستان، ہندو چین میں آج بھی سنی مذہب کا غلبہ و تفوق آپ کے ہی تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے کہ اس مسلک حق کے پیروکار پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور یہی مسلمانوں کا سواد اعظم ہیں۔

اہلسنت یا الہدایت

سنت کے مفہوم سے یہ امر واضح ہوا کہ ایک مسلمان، عامل سنت تو ہو سکتا ہے
عامل بالحدیث نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہر سنت قابل عمل ہے اور ہر حدیث قابل عمل نہیں ہے
کیونکہ:

..... احادیث میں پچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض
پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔ (کما هو الظاہر)

..... احادیث میں حضور ﷺ کی خصوصیات بھی مذکور ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے
مشروع نہیں۔ (فافہم)

..... احادیث میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جو بعد میں منسوخ کر دیئے گئے جو اب
قابل عمل نہیں رہے۔ (فتدبر)

غور فرمائیں! جب تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں تو کوئی شخص الہدایت نہیں
ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کہیں بھی ہر حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ
احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تاکہ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری
رہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۷)

ترجمہ: یعنی مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں یا دور والوں کو میری حدیثیں پہنچادے
(یا سنادے)۔

لیکن اس کے برعکس سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي (مشکوٰۃ: ۳۰)

ترجمہ: یعنی میری سنت پر عمل لازم پکڑو۔

یہ کہیں نہیں فرمایا علیکم بحدیثی کہ میری حدیث پر عمل لازم پکڑو۔
ثابت ہوا کہ ایک مسلمان اہلسنت تو ہو سکتا ہے اہلحدیث کبھی نہیں ہو سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کتب احادیث وغیرہا میں اہلحدیث کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اہلحدیث کسی مسلک یا فرقے کا نام یا عنوان ہے حالانکہ بمطابق تصریحات علماء اصول، ان کتابوں میں اہلحدیث کے الفاظ سے مراد عالمین حدیث نہیں بلکہ عالمین حدیث ہیں اور یہ کسی مخصوص فرقے کا نام نہیں ہے۔ (کہافی کتب الاصول) لہذا عوام مسلمین کو اہلحدیث کہلانے کی بجائے اہلسنت کہلانا چاہیے۔ (واللہ الموفق)

بدعت کا مفہوم

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے کہ فتنوں کے زمانے میں بدعات سے بچیں اور سنت کو اپنائیں۔ سنت پر عمل کرنے سے ہی مسلمانوں کی مرکزیت قائم اور شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِيشُ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَ مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (سنن ابی ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۹)

ترجمہ: پس جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کو

تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رہو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نو پیدا مور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کا لغوی و اصطلاحی معنی

لغت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جسکی پہلے سے مثال نہ ملتی ہو۔

(کما قال نووی شارح مسلم)

..... بدعت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن رجب حنبلی رقمطراز ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ مَا أَحْدَثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيعَةِ يُدُلُّ

عَلَيْهِ (جامع العلوم والحکم ۲: ۱۲۷)

ترجمہ: یعنی بدعت سے مراد وہ نئی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دلالت کرے۔

حدیث مذکور میں ان محدثات امور (نئی باتوں) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو خلاف شرع ہوں اور وہ نئے امور جو خلاف شرع نہ ہوں جائز و مباح ہیں۔ یہ موقف

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

ترجمہ: یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ ”مالیس منه“ کی قید لگادی

کہ جو چیز دین سے نہ ہو، خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

..... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ میں فرماتے ہیں:

”انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔“

..... امام عسقلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے:

”الْمُحَدَّثَاتُ ضَرْبَانِ مَا أُحْدِثَ مُخَالِفًا كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا أَوْ
اجْتِمَاعًا فَهَذِهِ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ وَمَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا يُخَالِفُ شَيْئًا مِنْ
ذَلِكَ فَهَذِهِ مُحَدَّثَةٌ غَيْرُ مَذْمُومَةٍ“ (فتح الباری الجز ۱۳: ۲۵۳)

ترجمہ: وہ نئے امور جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے منافی و مخالف ہوں بدعت ضلالت ہیں اور جو اچھے امور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

محدثات کی اسی تقسیم کو عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ آپ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ آپ ”کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔ آپ کے نزدیک ”کُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ“ عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب و سنت) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

..... خواجہ مفتی عبدالرحمن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

”گفتہ اندکہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ“

ترجمہ: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ و سیئہ.....

”ایں فقیر دریچ بدعت ازیں بدعتا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و بز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید سیدالبشر می فرمایند علی و علی الہ الصلوٰت و التسلیات من احدث فی امرنا هذا مالئیس منه فهو رد“ چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند“ (دفتر اول مکتوب: ۱۸۶)

ترجمہ: یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ سیدالبشر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو شے مردود ہوگئی اس میں حسن کیسا؟

آپ رضی اللہ عنہ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نور سنت سنیہ را علی صاحبہا الصلوٰة والسلام و التحیۃ ظلمات بدعتا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را علی مصدرہا الصلوٰة والسلام و التحیۃ کدورت امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آن محدثات را امور مستحسنہ میدانند و آن بدعتا را حنات می انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت ازاں حنات می جویند و در اتیان آن امور ترغیب می نمایند ہداهم اللہ سبحانہ سواء الصراط مگر نمی دانند کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود و نعمت تمام گشتہ و رضاء حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بحصول پیوستہ کہا قال اللہ تعالیٰ الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (الخ)

پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیہ کریمہ (دفتر اول مکتوب: ۲۶۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویٰ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والحدیث کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت، ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعے سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل و مکمل ہو چکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہو چکی ہیں اور اس کی رضا ان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آئیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

گزشتگان در بدعت حنی دیدہ باشند کہ بعض افراد آزا مستحسن داشته اند اما این فقیر دریں مسئلہ بایشاں موافقت ندارد و بیچ فرد بدعت را حسنہ نمی داند و جز ظلمت و کدورت دراں احساس نمی نماید قال علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ و می یابد کہ دریں غربت و ضعف اسلام سلامتی منوط باتیان سنت است و خرابی مربوط بہ تحصیل بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگ کلند میدانند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید و سنت را در رنگ کوب درخشاں می نماید کہ در شب دتجور ضلالت ہدایت می فرماید علماء وقت را حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ توفیق دہاد کہ بکن بیچ بدعت لب

نکشائند و باتیان ہیج بدعت فتویٰ ندہند اگرچہ آن بدعت در نظر شاں در رنگ فلق صبح روشن در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم است

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ یہ فقیران سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فرد بدعت کو ”حسنہ“ نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی، سنت سے اور خرابی، بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسن ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں ”فلق صبح“ کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔ (دفتر دوم مکتوب: ۲۳)

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو ”کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۷) کے تحت رکھتے ہیں۔

آپ کے اس موعظ پر جن لوگوں نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی کے مرتبہ و علو شان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا

جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

۱..... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب وغیرہا قرار دیا اور علمی موثر گائیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید و تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲..... آپ مشاہدہ و یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت و ولایت سے اس تقسیم کی نفی فرما رہے تھے۔ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن و جمال نظر نہ آتا۔ عشق و محبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳..... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ”کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“ میں لفظ بدعتہ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ”کُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ“ میں لفظ ”محدثہ“ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ”محدثہ“ کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴..... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنہ کی

مطلق نفی فرمانا سدالباب کے قبیل سے ہے تاکہ عوام بدعت حسنة کا سہارا لے کر بدعت ضلالہ میں نہ پھنس جائیں لہذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵..... بدعت حسنة اور بدعت ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم، تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا، تاکہ اس کی آڑ میں اہل ہوس دین میں فتنہ و فساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا، جن کے بارے میں آپ نے یوں نشاندہی فرمائی۔

”اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت۔۔۔۔۔ بجواز بلکہ باستحسان آن فتویٰ می دہند و مردم را بہ بدعت دلالت می نمایند“ (دفتر دوم مکتوب: ۵۴)

ترجمہ: اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں..... یہ علمائے دین بدعت کو شرعاً جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں اور آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

۶..... آپ مجتہد ہیں اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں دفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”حضور مجدد صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک دفع سبابہ بناء بر اجتہاد ہے“ (کلمات طیبات فارسی: ۲۹)

۷..... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول ”نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ“ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۰) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ

دور فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفہ دوم کا عمل از روئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافہم)

۸..... حضرت امام ربانی نے میرحب اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رافع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ نہ اس میں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟

بدعت حسنہ..... رافع سنت ہے

۹..... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمن کابلی کی طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

”جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رافع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رافع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے، حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی

نیت کرنی چاہیے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۱۸۶)

۱۰..... آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا".... (الخ) (مشکوٰۃ: ۳۳)

لہذا حدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنہ کا اطلاق بدعت حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

چنانچہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ الْمَوْافِقَةَ لِمَقْصُودِ الشَّرْعِ تُسَمَّى سُنَّةً"

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

۱۱..... اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے اور وہ یہ کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں؟

۱۲..... اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شاہ

احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”می فرمودند کہ بدعت حسنہ نزد امام ربانی قدس سرہ داخل سنت است اطلاق بدعت بر آل نبی فرماید بموجب کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ و نزاع در میان ایشان و علماء کہ بوجود حسن در بدعت قائل اند لفظی است“

(مقامات سعیدیہ: ۱۲۵)

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

❁..... اسی طرح معرّب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرّب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد مکی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں سے بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اس کے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے ”حسنہ اور سیئہ“ کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہو، اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد کے منارے بنانا، مدارس اسلامیہ قائم کرنا، مسافر خانے تعمیر کرنا، کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ

صدر اول میں اس کی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہذا ایسا شخص مُبتدِع اور مُحدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں۔ دراصل اس دوسری قسم کا مرتکب ہی مُبتدِع اور مُحدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ”كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سینہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(حاشیہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب: ۱۸۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری)

..... حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انبجاح الحاجہ میں حدیث ”من احدث فی امرنا هذا“ (الخ) کے تحت فرماتے ہیں۔
 وَ لِهَذَا قَالَ الشَّيْخُ الْمُجَدِّدُ رحمۃ اللہ علیہ إِنَّ الْعُلُومَ الَّتِي وَسَائِلُ لِأَمْرِ الدِّينِ كَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ دَاخِلَةٌ فِي السُّنَّةِ وَلَا يُطْلَقُ عَلَيْهِمْ إِسْمُ الْبِدْعَةِ فَإِنَّ الْبِدْعَةَ عِنْدَهُ رحمۃ اللہ علیہ لَيْسَ فِيهَا حُسْنُ الْبَيِّنَةِ۔

ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف و نحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مسئلہ

بدعت میں حضرت امام ربانی اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسئلہ بدعت کے متعلق علمائے متقدمین اور آپ کے درمیان نزاع لفظی ہے مگر وہ علمائے متاخرین (ہم عصر اور ہم وطن علماء) جنہوں نے بدعت حسنہ کے دامن کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بہت سی بدعات سیئہ کو بدعات حسنہ میں داخل کر دیا ہے (کفن میت میں عمامہ اور شملہ دستار کو بائیں طرف لٹکانا وغیرہا) جن کی اصل صدر اول میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی علمائے متقدمین نے ان کو بدعت حسنہ میں شمار کیا ہے۔ ان علمائے متاخرین اور آپ کے درمیان مسئلہ بدعت میں اختلاف لفظی نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی اختلاف ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور معمولات اہلسنت

اس حقیقت کی وضاحت اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آج کل بعض لوگ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اقوال کو خوب اچھالتے ہیں اور علماء اہلسنت کے معمولات پر تنقید کر کے ان کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ مخالفین اہلسنت، جن امور کے پیش نظر علماء اہلسنت کو بدعتی کہتے ہیں وہ تمام امور حضرت امام ربانی قدس سرہ کے عقیدہ و عمل اور قول و فعل سے ثابت ہیں۔ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

محفل میلاد

بعض حضرات اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت امام

ربانی محفل میلاد کا انکار فرماتے ہیں (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ آپ کے قرب و جوار میں محفل میلاد بطریق سماع (قوالی) کا رواج چل نکلا تھا جس کا آپ نے اپنی طریقت نقشبندیہ کی مخالفت کی وجہ سے انکار فرمایا ہے۔

محفل میلاد کے بارے میں تو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام

یوں تحریر فرمایا تھا:

”دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن

بصوت حسن در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع

تحریف و تغیر حروف قرآن است“ (دفتر سوم مکتوب: ۷۲)

ترجمہ: محفل میلاد میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اور بزرگان دین کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں

کیا حرج ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن کے حروف میں تبدیلی اور تحریف کر دی جائے

اور قصیدے پڑھنے میں راگنی، سر، تال اور موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی

جائے اور تالیاں بجائی جائیں وغیرہ۔

عرس منعقد کرنا

تبلیغی مقاصد اور ایصالِ ثواب کے پیش نظر اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات کی

حاضری اور بزرگان دین کے عرس منعقد کرنا اہلسنت کے معمولات میں سے ہے جس کی

اصل حدیث سے ثابت ہے۔

..... ”رُوِيَ عَنْ ابْنِ شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحَدٍ

عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلى

(ارشاد الساری مناسک ملا علی القاری: ۳۳۷، التفسیر الکبیر ۱۹/۳۵)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں احد شریف میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لایا کرتے تھے۔

..... امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

”وَالْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ“ (التفسیر الکبیر ۱۹/۳۵)

ترجمہ: چاروں خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

..... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ محافل عرس میں شرکت فرماتے اور اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید کے نام آپ نے یوں تحریر فرمایا:

”در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ بکھضرت دہلی رسید بخاطر

داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسد“ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۳)

ترجمہ: حضرت خواجہ جیو قدس سرہ کے عرس مبارک کے دنوں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو۔

..... آپ نے مکتوبات شریفہ میں کسی بھی مقام پر عرس کی ممانعت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے دور میں عرسوں کا رواج تھا جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوا۔

نیز آپ کے جانشین، قیوم ثانی، عدوۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی قدس سرہ کے عرس مبارک میں شرکت کے بارے میں خود اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

”چند روز است کہ این مسکین را درد خفیف است چنانچہ در مجلس عرس

پیر دستگیر در ڈولی نشستہ چند ساعتہ حاضر شدہ بود“ (مکتوبات معصومیہ)
ترجمہ: چند دنوں سے اس مسکین کو درد کا قدرے آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر تھوڑی
دیر کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد) رضی اللہ عنہ کی مجلس عرس میں شرکت کی۔

ایصالِ ثواب

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بدنی اور مالی نفعی عبادات کا ثواب ارواح کو بخشا درست
ہے اور یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ اس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور آئمہ
اربعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (تجارتِ دسواں، چالیسواں بھی ایصالِ ثواب ہی کی مختلف
صورتیں ہیں اور فوت شدگان کے لیے اجتماعی دعاؤں کا ذریعہ ہیں) حضرت امام ربانی
مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا مسلک مبارک بھی یہی ہے۔
چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”پیش ازین بچند سال داب فقیر آب بودہ کہ اگر طعام می پخت
مخصوص بروحانیات مطہرہ آلِ عبامی ساخت۔۔۔۔۔ شے در خواب می بیند
کہ آن سرور حاضر است علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر برایشاں عرض
سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند دریں اثنا بفقیر فرمودند
کہ من طعام در خانہ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد این
زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آن بودہ“

(دفتر دوم مکتوب: ۳۶)

ترجمہ: آج سے چند سال قبل (فاتحہ و ایصالِ ثواب کے سلسلے میں) فقیر کا طریقہ یہ تھا
کہ اگر کوئی کھانا پکاتا تو اس کا ثواب صرف آلِ عبا کی روحوں کو پیش کرتا..... ایک رات

فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کیا مگر حضور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا ”میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے“۔ فقیر اس وقت جان گیا کہ چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ فقیر اس ایصالِ ثواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایصالِ ثواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو شامل کرتا ہے۔

..... حضرت شیخ مجدد اپنے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں:

”نیازیکہ بدر ویشاں فرستادہ بودند نیز وصول یافت فاتحہ سلامت خواندہ

شد“ (دفتر اول مکتوب: ۱۳۲)

ترجمہ: آپ نے جو نیاز درویشوں کے لئے روانہ کی تھی وہ مل گئی ہے اور اس پر سلامتی کیلئے فاتحہ بھی پڑھ دی گئی ہے۔

قبروں پر غلاف ڈالنا

اولیاء کبار کی قبروں پر غلاف ڈالنا اور ان کو تبرک جاننا اہلسنت کے نزدیک جائز ہے اور یہ امر بدعتِ سیدہ میں داخل نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے یہ امر ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ رشید علامہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

..... ایک دفعہ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ روضہ شریفہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے اجیر شریف تشریف لے گئے تھے۔ بہت دیر تک اس بدر الاولیاء کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو محرمان اسرار

خاصہ سے فرمایا کہ

”حضرت خواجہ نے بے حد الطاف و اکرام فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی ضیافت کی اور اسرار کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی ہمراہی سے علیحدگی ہو جائے آپ نے اس سے منع فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر سوچنے کے لیے حکم دیا ہے۔“

اتنے میں روضہ عالیہ کے مجاور غلاف قبر شریف کی چادر لائے جو ہر سال تازہ آپ کی قبر پر ڈالی جاتی ہے اور سلاطین وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل و زمرد کی طرح (کامل تعظیم کے ساتھ) صندوق میں محفوظ رکھتے ہیں۔ جب مجاورین روضہ مقدسہ نے وہ چادر مبارک آپ کو بطور تحفہ پیش کی اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے تو آپ (امام ربانی) نے اس کو بڑے ادب کے ساتھ قبول کر لیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لیے رکھا جائے۔

(حضرات القدس حضرت شستم مترجم: ۱۱۴)

تصور شیخ

اہل باطن کے نزدیک شیخ کی صورت کا نقشہ دل میں حاضر کرنا اور اس کے توسل سے فیض ربانی کا انتظار کرنا طریقت کا معمول بہ عمل ہے جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منها) حالانکہ

..... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریفہ میں تصور شیخ کے

جواز و صحت کی تصریح فرمائی ہے اور اس کی برکات بیان فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو!

”پس در ابتداء و در توسط مطلوب را بے آئینہ پیر نمی توان دید“

(دفتر اول مکتوب: ۱۶۹)

ترجمہ: پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ (تصور شیخ) کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا۔

..... نیز فرمایا:

”وہیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست“

(دفتر اول مکتوب: ۱۸۷)

ترجمہ: اور کوئی راستہ بھی وصول کیلئے طریق رابطہ (تصور شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔
..... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد اشرف کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

”محبت اطوارا این دولت مہتمنائے طلاب است از ہزاراں یکے را مگر بدہند صاحب این معاملہ مستعد تام المناست است۔۔۔ رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند“ (دفتر دوم مکتوب: ۳۰)

ترجمہ: اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت (تصور شیخ) طالبان حق کی آرزو ہے جو ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا مرید، صاحب استعداد اور تام المناست ہے۔ نماز میں تصور شیخ کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیخ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ (حالانکہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)

استمداد و تصرفات اولیاء

اہلسنت کے نزدیک انبیاء و اولیاء کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا

مصائب اور مشکلات کے وقت ان کو ذریعہ اور واسطہ سمجھ کر مدد طلب کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے نیز ارواح طیبہ کا تصرف فرمانا اور امداد کرنا بھی عقلاً ثابت ہے۔

..... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا احمد برکی کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

”مخدوما۔۔۔ ازیں قبیل است مدد ہائے کہ از روحانیت اکابر قدس

اللہ تعالیٰ اسرار ہم کہ مناسب افعال اجسام است کَاہْلَاکِ الْأَعْدَاءِ وَ

نُصْرَةَ الْأَحْبَاءِ بِوُجُوہِ مُخْتَلِفَةٍ وَأَنْحَاءِ شَيْءٍ“ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۹)

ترجمہ: میرے مخدوم! اسی قبیل سے اولیاء کبار کی روحانیت مقدسہ کی امداد و اعانت ہے جو جسمانی امداد کی طرح اثر دکھاتی ہے جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا مختلف طریقوں سے۔

”حضرت قبلہ گا ہی ام (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) مے فرمودند کہ

حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے رسائل خود نوشتہ اند کہ در

قضائے مہرم ہیچ کس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد مگر مرا“

(دفتر اول مکتوب: ۲۱۷)

ترجمہ: میرے قبلہ گا ہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سید محی

الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ تقدیر مہرم تبدیل کرنے

کی طاقت و مجال کسی کو نہیں مگر میں اس کو بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔ (قضائے معلق فی علم

اللہ مراد ہے)

ناظرین! غور فرمائیں کہ کیا ایسے کا ملین امت شرک یا بدعت والے دعوے و

عقیدے کے حامل ہو سکتے ہیں؟ (استغفر اللہ العظیم)

..... اسی طرح حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف ایک مکتوب گرامی میں شان مجددیت کے بارے میں یوں لکھا:

”مجدد آتست کہ ہرچہ در اں مدت از فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد

اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت بودند و بدلاء و نجباء باشند“ (دفتر دوم مکتوب: ۴)

ترجمہ: مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں جو کچھ فیوض و برکات امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں اگرچہ وہ فیض حاصل کرنے والے اپنے وقت کے قطب اور اوتاد ہوں یا ابدال و نجباء ہوں۔

ناجی گروہ اور بدعتی فرقے

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا مکتوبات شریفہ میں اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ ناجی گروہ صرف اہلسنت و جماعت ہے۔ اس راستے سے سرمو انحراف کرنا دنیا و آخرت کی خرابی کا سبب ہے اور اہلسنت کے علاوہ تمام فرقے معرضِ خطر و زوال میں ہیں۔ فرمان رسالت مآب (علیٰ صاحبہا الصلوٰت و التسلیمات) سے ثابت ہے کہ اس امت کے تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ جنتی ہے جس کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔ بقول ابن حزم اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہلسنت، دوسرے معتزلہ، تیسرے مرجیہ، چوتھے شیعہ، پانچویں خوارج باقی تمام فرقے انہی کی شاخیں ہیں۔

(المسلل والنحل للامام شہرستانی)

فقہ کے اعتبار سے اہلسنت میں چار مذاہب ہیں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ اعتقادات کے لحاظ سے تین گروہ ہیں اشعری، ماتریدی، حنبلی۔ طریقت میں چار بڑے گروہ ہیں

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی وغیرہا۔ لیکن یہ تمام گروہ اہل حق ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی اعتقادی تفاوت نہیں اور یہ سارے اہلسنت وجماعت کہلاتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ خوارج کے پندرہ فرقے ہیں، شیعہ کے بتیس، معتزلہ کے چھ، مرجیہ کے بارہ، جہمیہ ایک، ضراریہ ایک، نجاریہ ایک، کلابیہ ایک اور مشبہ کے تین فرقے ہیں۔ اس حساب سے اہلسنت سمیت کل تہتر فرقے ہو گئے۔ اس دور میں نئے پیدا ہونے والے بدعتی فرقوں نے بھی پہلے (بیان کردہ) فرقوں سے جنم لیا ہے اور ان کے عقائد و نظریات بھی انہی کا چر بہ ہیں جیسا کہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ فرید کی طرف ایک مکتوب میں فرمایا:

”اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے

بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد

فرماتا ہے۔ ”لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ“ (الفتح ۳۸: ۲۹، دفتر اول مکتوب: ۵۴)

بدعات کے خلاف جہاد

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ الحاد اکبری کے دور میں خلاف اسلام فتنوں

اور بدعات نے جنم لیا ان میں علماء سوء اور صوفیائے خام کا بھی پورا پورا دخل تھا۔ چنانچہ

امام ربانی قدس سرہ نے حکومت وقت کے علاوہ ایسے علماء و صوفیاء کے خلاف بھی بہت

زیادہ عملی، لسانی اور قلمی جہاد فرما کر بے شمار بدعات کا خاتمہ فرمایا اور شریعت، طریقت

کے حقیقی خدو خال کو بے نقاب کیا۔

غرضیکہ آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب اسلام پر پھر سے بہار

آگئی۔ آج بھی پوری دنیا میں تروج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوض و برکات اور تصرفات کا فرما ہیں۔ آپ نے دو قومی نظریہ پیش کیا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ بلاشبہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان آپ کی نگاہ فیض و تجدید کا ثمرہ ہے۔

والحمد لله على ذلك

مستزینیت

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حقائق الہیہ سے متحقق اور کمالات نبوت سے متصف ہونے کی بناء پر علمائے راہنہ اور عرفائے کاملین کے سرخیل ہیں۔ آپ کی مجددانہ تحقیقات، انفرادی شان اور عارفانہ تخلیقات، امتیازی مقام رکھتی ہیں۔ مقام مشاہدہ و امامت اور مرتبہ یقین و مجددیت پر فائز المرام ہونے کی بدولت آپ پر حقائق شریعت اور اسرار نیت آشکارا ہوئے۔ مسئلہ نیت پر آپ نے اپنی مجددانہ تحقیق یوں بیان فرمائی۔

علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ با وجود ارادہ قلب بزبان نیز باید گفت و حال آنکہ اذان سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح و نہ بروایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چون اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد و این بدعت را حسنہ گفتہ اند و این فقیر میدانکہ این بدعت چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آن اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند و از غفلت قلبی باک ندارند پس درین ضمن فرضی از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک میگردد و بفساد

نماز میرساند (دفتر اول مکتوب: ۱۸۶)

ترجمہ: بعض علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود قلب کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہئے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح حدیث یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرام و تابعین عظام سے، کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت ہوتی تھی تو وہ ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ لہذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے حالانکہ یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سنت تو بجائے خود رہا یہ تو فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دل کی غفلت پر کچھ نہیں ڈرتے کہ اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔

سطور بالا میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے نماز میں تکبیر تحریمہ سے قبل زبان کے ساتھ نیت کرنے کو بدعت قرار دیا ہے کیونکہ اس سے رفع فرض لازم آتا ہے جو فساد نماز کا باعث ہے۔ آپ کے اس موقف کی تائید علمائے اعلام اور فقہائے کرام کی درج ذیل تحقیقات سے بھی ہوتی ہے۔

نیت کا شرعی معنی

لغت عرب میں نیت کا معنی قصد کرنا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے نَوَى الشَّيْءَ اس نے کسی چیز کا قصد کیا۔

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نیت کی شرعی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

تَوَجُّهُ الْقَلْبِ نَحْوَ الْفِعْلِ ابْتِغَاءً لِرُؤُوفِهِ اللَّهِ وَالْقَصْدُ بِهَا تَمْيِيزُ الْعِبَادَةِ عَنِ الْعَادَةِ (مرقاۃ المفاتیح جز اول: ۹۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کسی فعل کی طرف

قلب کا متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے تاکہ عبادت، عادت سے متمیز ہو جائے۔

نیت کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

فَأَمَّا مَعْنَى النِّيَّةِ فَهِيَ عَزْمُ الْقَلْبِ عَلَى فِعْلِ الْعِبَادَةِ تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ

وَخِدَّةً (الفقه على المذاهب الاربعه: ۲۰۹) یعنی نیت کا معنی اللہ وحدہ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر ادائے عبادت کیلئے قلب کا عزم کرنا ہے۔

حکم نیت کے متعلق اختلاف فقہاء

إِنَّ النِّيَّةَ لَازِمَةٌ فِي الصَّلَاةِ فَلَوْ تَرَكْتَ بَطَلَتِ الصَّلَاةُ بِاتِّفَاقِ الْمَذَاهِبِ
إِنَّ الْمَالِكِيَّةَ وَالشَّافِعِيَّةَ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ النِّيَّةَ رُكْنٌ مِنْ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ
فَلَوْ لَمْ يَنْوِ الصَّلَاةَ فَإِنَّهُ لَا يُقَالُ لَهُ قَدْ صَلَّى أَصْلًا وَالْحَنَفِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ
اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهَا شَرْطٌ بِمَعْنَى أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَأْتِ بِهَا فَإِنَّهُ يَكُونُ قَدْ صَلَّى صَلَاةً
بَاطِلَةً وَبِذَلِكَ تُعْلَمُ أَنَّ النِّيَّةَ بِالمَعْنَى الْمُتَقَدِّمِ فَرَضٌ أَوْ شَرْطٌ لَا بُدَّ مِنْهُ
عَلَى كُلِّ حَالٍ (الفقه على المذاهب الاربعه مطبوعه مصر: ۲۱۰)

یعنی بے شک نیت نماز میں لازم ہے۔ اگر نیت چھوڑ دی گئی تو تمام مذاہب کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی..... حضرات مالکیہ اور شافعیہ رحمۃ اللہ علیہم اس امر پر متفق ہیں کہ نیت ارکان نماز میں سے ایک رکن ہے۔ پس اگر کسی نے نماز کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز ہرگز نہیں ہوگی۔ جبکہ فقہائے حنفیہ وحنابلہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ نیت نماز کیلئے شرط ہے بایں معنی کہ اگر شرط مفقود ہوئی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ نیت سابقہ معنی کے اعتبار سے فرض ہو یا شرط بہر حال یہ نماز کیلئے ضروری ہے۔

لسانی نیت سنت سے ثابت نہیں

فقہائے احناف کے نزدیک نیت شرائط نماز میں سے ہے جو قلب کا فعل ہے۔ اس لئے تکبیر تحریمہ سے پہلے لسانی نیت کرنے سے شرط مفقود ہو جاتی ہے جو مشروط (نماز) کے فاقد و فاسد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ چونکہ لسانی نیت حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت نہیں ہے اور نہ ہی تابعین عظام اور فقہائے اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے ثابت ہے اس لئے یہ بدعت ہے:

امت کے دیگر فقہائے کرام اور علمائے اعلام کے فرمودات بھی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

..... حضرت امام ابن ہمام ارقام پذیر ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْحُفَّازِ لَمْ يَثْبُتْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيقٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْإِفْتِتَاحِ أَصَلِّيْ كَذَا وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ بَلِ الْمَنْقُولُ أَنَّهُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَهَذِهِ بِدْعَةٌ

یعنی بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح یا ضعیف، کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ فرماتے ہوں أَصَلِّيْ كَذَا (کہ میں فلاں نماز ادا کرنے لگا ہوں) اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی (رضی اللہ عنہ) سے زبان کے ساتھ نیت کرنا ثابت ہے بلکہ احادیث مبارکہ میں یہی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ادائے نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ اس لئے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے۔

(فتح القدیر مع الکفایہ جلد اول: ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

..... حضرت علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

لَمْ يَنْقُلْ أَحَدًا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ وَلَا عَلَّمَ أَحَدًا
مِّنْ أَصْحَابِهِ التَّلَفُّظَ بِهَا وَلَا أَقْرَبَهُ عَلَى ذَلِكَ بَلِ الْمَنْقُولُ عَنْهُ فِي السُّنَنِ
أَنَّهُ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ

(المواهب اللدنیہ جلد چہارم: ۷۲)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبان کے ساتھ لفظاً نیت کرنا منقول نہیں اور نہ ہی آپ نے صحابہ کرام میں سے کسی کو تلفظ بالنیۃ کی تعلیم دی اور نہ ہی آپ نے اس کی تلقین فرمائی۔ بلکہ کتب سنن میں آپ کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ نماز کی کلید طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر تحریمہ ہے اور اس کی تحلیل، تسلیم ہے۔

..... صاحب کبیری تحریر فرماتے ہیں:

وَفِي الْكَفَايَةِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ الْأَفْضَلُ أَنْ يَشْتَغَلَ قَلْبُهُ بِالنِّيَّةِ
وَلِسَانُهُ بِالذِّكْرِ يَعْنِي التَّكْبِيرَ وَيَدُهُ بِالرَّفْعِ (کبیری شرح منیہ: ۲۹۶، فتح القدر
مع الکفایہ: ۲۳۲) یعنی کفایہ میں شرح طحاوی کے حوالہ سے نقل ہے افضل یہ ہے کہ نماز
کا قلب نیت میں، زبان ذکر یعنی تکبیر تحریمہ میں اور ہاتھ اٹھنے میں مشغول ہوں۔

..... حضرت حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں:

كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا قَبْلَهَا وَلَا تَلَفَّظَ
بِالنِّيَّةِ الْبُتَّةَ وَلَا قَالَ أَصَلِّي لِلَّهِ صَلَاةً كَذَا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ
إِمَامًا أَوْ مَأْمُومًا وَلَا قَالَ آدَاءٌ وَلَا قَضَاءٌ وَلَا فَرَضَ الْوَقْتِ وَهَذِهِ عَشْرُ بَدَعٍ
لَمْ يَنْقُلْ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحَدٌ قَطُّ بِأَسْنَادٍ صَحِيحٍ وَلَا ضَعِيفٍ
وَلَا مُسْنَدٍ وَلَا مُرْسَلٍ لَفْظَةً وَاحِدَةً مِنْهَا الْبُتَّةُ بَلْ وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنْ

أَصْحَابِهِ وَلَا اسْتَحْسَنَهُ أَحَدٌ مِنَ التَّابِعِينَ وَلَا الْأُمَّةَ الْأَرْبَعَةَ وَإِنَّمَا غَرَّ
بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ قَوْلَ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الصَّلَاةِ إِنَّهَا لَيْسَتْ
كَالصِّيَامِ لَا يَدْخُلُ فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا بِذِكْرِ فِظْنٍ أَنَّ الذِّكْرَ تَلَفُظُ الْمُصَلِّيِّ بِالنِّيَّةِ
وَأَنَّ مُرَادَ الشَّافِعِيِّ بِالذِّكْرِ تَكْبِيرَةُ الْإِحْرَامِ لَيْسَ إِلَّا وَكَيْفَ يَسْتَحِبُّ
الشَّافِعِيُّ أَمْرًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ
وَلَا أَحَدٌ مِنْ خُلَفَائِهِ وَأَصْحَابِهِ وَهَذَا هَدْيُهُمْ وَسِيرَتُهُمْ فَإِنْ أَوْجَدْنَا
أَحَدًا حَرْفًا وَاحِدًا عَنْهُمْ فِي ذَلِكَ قَبْلِنَا وَلَا سُنَّةَ إِلَّا مَا تَلَقَّوْهُ عَنْ
صَاحِبِ الشَّرْعِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (زاد المعاد في هدي خير العباد جلد اول: ۱۹۴)

یعنی حضور اکرم ﷺ جب ادائے نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر
نماز شروع فرمادیتے اور اس سے قبل کچھ نہ کہتے اور نہ زبان کے ساتھ نیت فرماتے اور
نہ یوں کہتے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں میرا رخ بجانب قبلہ
چار رکعات بحیثیت امام یا مقتدی اور نہ ہی آپ ﷺ ادایا قضا اور وقت فرض کے الفاظ
فرماتے۔

اس طرح تکبیر تحریمہ سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنے والا نمازی دس
بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ صحیح یا
ضعیف یا مسند اور مرسل کے ساتھ کسی نے قطعاً نقل نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں
سے کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور نہ ہی تابعین کرام اور ائمہ اربعہ میں سے کسی
نے اسے مستحب کہا ہے۔

البتہ بعض متأخرین کو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے مغالطہ ہوا کہ
نماز روزوں کی طرح نہیں ہے کہ جس میں کوئی نمازی ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ پس

ان متاخرین فقہاء کو لفظ ذکر سے نمازی کا زبان کے ساتھ نیت کرنے کا گمان ہوا ہے حالانکہ ذکر سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد تکبیر تحریمہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور امام شافعی کسی ایسے کام کو کیسے مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک نماز میں بھی نہیں کیا اور نہ ہی آپ کے خلفائے عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کیا ہے اور یہی ان کا راستہ اور سیرت ہے۔ اگر ہم ان سے ایک حرف بھی کتب احادیث میں پاتے تو اسے بسر و چشم قبول کرتے۔

..... حضرت ملا علی قاری کے نزدیک بھی تَلَفُّظٌ بِالنِّيَّةِ کرنے والا بدعتی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ التَّلَفُّظُ بِالنِّيَّةِ فَإِنَّهُ بِدْعَةٌ وَالْمُتَابَعَةُ كَمَا تَكُونُ فِي الْفِعْلِ تَكُونُ فِي التَّرْكِكِ أَيْضًا فَسَنُ وَاطْبَ عَلَى فِعْلٍ لَمْ يَفْعَلْهُ الشَّارِعُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۴) یعنی زبان کے ساتھ نیت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ متابعت جیسے کسب فعل میں ہوتی ہے ایسے ہی ترک فعل میں بھی ہوتی ہے لہذا جس شخص نے ایسے فعل پر مواظبت کی جسے حضرت شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے۔ واضح رہے کہ نیت قلب کا فعل ہے اور اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ... الخ کے الفاظ دعا ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے احرام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائے۔ چنانچہ علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلِيهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ فَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ نَوَيْتُ أُصَلِّيَ صَلَاةً كَذَا وَكَذَا وَتَرَكُهُ سُنَّةً كَمَا أَنَّ فِعْلَهُ سُنَّةٌ (مرقاۃ المفاتیح جلد اول: ۳۷، المواہب اللدنیہ جلد چہارم: ۷۳)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات طیبہ میں تیس ہزار سے زائد نمازیں

ادا فرمائیں مگر آپ سے کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپ نے بایں الفاظ زبان کے ساتھ نیت فرمائی ہو نَوَيْتُ اُصَلِّيْ صَلَاةً كَذَا وَ كَذَا اور آپ ﷺ کا کسی فعل کو ترک کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ کا کسی فعل کو کرنا سنت ہے۔

..... یہ امر ذہن نشین رہے کہ لسانی نیت چونکہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ و تابعین کرام اور آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ بعض مشائخ کی سنت ہے جو لائق اعتبار نہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسن بن عمار حنفی ارقام پذیر ہیں:

فَمَنْ قَالَ مِنْ مَّشَائِخِنَا أَنَّ التَّلْفُظَ بِالنِّيَّةِ سُنَّةٌ لَمْ يَرِدْ بِهِ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ سُنَّةُ بَعْضِ الْمَشَائِخِ (مرآة الفلاح: ۸۳)

اسی طرح حضرت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

وَالنِّيَّةُ بِالْقَلْبِ لِأَنَّهَا عَمَلُهُ وَالتَّكَلُّمُ لَا مُعْتَبَرُ بِهِ (مرقات: ۳۶)

حقیقت نیت

کاشف اسرار طریقت خواجہ محمد موسیٰ بن خواجہ عیسیٰ نقشبندی رضی اللہ عنہما تحریر فرماتے

ہیں:

اے عزیز حقیقت صلوٰۃ شنیدی اکنوں سر نیت بشنو اہل ظاہر چہ دانند کہ چہ نیت باشد و نیت برائے صلوٰۃ شرط است نماز وقتی درست باشد کہ نیت درست شود کَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَعَبْدُ اللَّهِ سَهْلٌ تَسْتَرِي رَحْمَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ مِی گوید النیة النور و محمد بن

جعفر مکی رحمۃ اللہ علیہ می گوید در حروفات نیت فرمودہ نیت آنست کہ آن حرف النون اشارۃ الی النور و حرف الیاء اشارۃ الی ید اللہ و حرف التاء اشارۃ الی ہدایت اللہ فان النیۃ نسیم الروح و ریحان و جنت نعیم پس ہمہ علمہا موقوف بہ نیت است و نیت از عالم کسب نباشد اما از عالم عطاء و خلعت الہی باشد ازین جا بود کہ بشر حافی بر جنازہ حسن بصری نماز نگذارد و گفت نیت را نیا فتم ایں چنین نیت در نماز باید (نوار المعارف: ۵۶: قلمی)

یعنی اے عزیز! حقیقت نماز کے متعلق تو سماعت کر لیا اب نیت کا راز سنئے۔ اہل ظاہر کو کیا معلوم کہ نیت کیا ہے۔ نیت نماز کے لئے شرط ہے، نماز تب ہی درست ہوگی جب نیت درست ہوگی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ حضرت عبداللہ اہل تسری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیت ایک نور ہے اور شیخ محمد بن جعفر مکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لفظ نیت تین حروف کا مجموعہ ہے اس کا حرف نون نور کی طرف اشارہ ہے، حرف یاء ید اللہ کی طرف اشارہ ہے اور حرف تاء ہدایت اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس نیت خوشبوئے روح، پھول اور جنت نعیم ہے اس لئے تمام اعمال نیت پر ہی موقوف ہیں اور نیت عالم کسب سے نہیں بلکہ یہ عطاء ربانی اور خلعت الہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ بشر حافی، حضرت خواجہ حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہما) کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے تو استفسار پر فرمایا کہ مجھے حضور نیت میسر نہ تھا۔ اس طرح کی نیت نماز میں ہونی چاہئے۔ (من شاء التفصیلات فلیراجع الی مذاق العارفین المجلد الرابع)

... یہ امر بھی مستحضر رہے کہ حقیقت نیت چونکہ عالم کسب سے نہ ہونے کی بناء پر غیر اختیاری ہے اس لئے اگر سالکین طریقت بعض اعمال صالحہ میں یوں نیت کر لیں کہ جو

نیت ہمارے شیخ مکرم کی ہے وہی نیت ہماری ہے تو اس طرح شیخ کے صدق نیت کی بدولت مریدین کے اعمال بھی شرف قبولیت پا جائیں گے جیسا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب ہو کر فرمایا: **يَا عَلِيُّ قَالَ يَمَّا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** (بخاری جلد اول: ۲۱۱) یعنی اے علی! احرام باندھتے وقت کیا نیت کی تھی انہوں نے عرض کیا جو نیت میرے نبی مکرم نے کی ہے وہی میری نیت ہے۔

یونہی آپ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا: **يَمَّا أَهَلَّكَ فَقُلْتُ أَهَلَّكَ كَأَهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** (بخاری جلد اول: ۲۱۱) یعنی اے ابو موسیٰ! کس نیت سے احرام باندھا ہے انہوں نے عرض کیا میں نے اسی نیت سے احرام باندھا ہے جس نیت سے میرے نبی اکرم ﷺ نے باندھا ہے۔

عصر حاضر میں شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ
کے کردار کی ضرورت

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا اگر بنظر غائر مطالعہ و جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر قوم نے بوجہ کثیرہ اس طرف مراجعت کی۔ برصغیر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز رہا اور پھر یہ کہ مذاہب عالم میں ہر ایک نے یہاں اپنی اپنی قسمت آزمائی کی لیکن ہندو مذہب، ہر مذہب کو مختلف انداز سے ہضم کر جاتا رہا۔ اس طرح دیگر مذاہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن دین اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف رہا۔ اسلام نے برصغیر کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی و سیاسی حالات پر گہرا اثر ڈالا جس کی وجہ سے ہندو قوم میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے مختلف طریقوں سے (خاکم بدہن) اسلام کے انہدام کے لئے کارروائیاں شروع کر دیں۔ ان انتقامی کارروائیوں میں ایک طرف اسلام کے سیاسی زور کو توڑنے کے لئے معاشرے میں تخریب کاری، قتل و غارت گری، سیاسی بے چینی اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا گیا تو دوسری طرف مذہبی سطح پر مسلمانوں کو تبدیل کرنے کے لئے ایسی تحریکیں اٹھائی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے تشکیک کا راستہ اختیار کیا گیا۔ ہندو راجاؤں وغیرہم نے سیاسی طور پر برصغیر کے تقریباً تمام حکمرانوں کے ساتھ پنچہ آزمائی کی لیکن ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی اور شکست فاش ہوئی۔

اس کے بعد ان کے نام نہاد دانشوروں نے سوچا کہ اب سیاسی میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا کھیل کھیلا جائے کہ مسلمان (حقیقی) مسلمان نہ رہے اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ تو ہو مگر دل و دماغ سے روح اسلام نکل جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی فلسفیانہ تنظیمیں بنائیں اور تحریکیں چلائیں۔ ان کے اس فلسفے کا مقصد مساوات اور رواداری کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو کھوکھلا کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے اپنا کام یوں تو بہت پہلے سے شروع کیا ہوا تھا لیکن بد قسمتی سے اکبر بادشاہ (جلال الدین اکبر) کے زمانے میں ان تحریکوں نے زور پکڑا اور حکومت تک رسائی حاصل کر کے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ”فلسفہ رواداری مذاہب“ کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ براہ راست قوت اور تشدد کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے مذہبی وفاداری کو نہیں نکالا جاسکتا لیکن اگر کسی مذہب میں دوسرے مذہب کی اس طرح ملاوٹ کر دی جائے کہ وہ اپنی بنیادی خصوصیات کھو بیٹھے تو وقت گزرنے پر اس مذہب کا مٹ جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اکبر کے ساتھ اس کی محفلوں میں صرف ہندو راجے اور ہندو فلسفی ہی نہ رہتے تھے بلکہ اکبر کے ساتھ عبادت خانے میں ہندو پروہت، کیتھولک مبلغ، زرتشتی موحد اور عقلیت پسند ملحد سبھی کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور ہر اس نظرئیے کو پسند کیا جاتا تھا جو بادشاہ کی دلچسپی کا موجب ہو۔ ان مختلف الانواع فلسفیانہ خیالات نے اکبر کے ذہن پر جو اثرات چھوڑے، ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ ارتداد و الحاد کے سوا اور کیا نکل سکتا تھا؟ اکبر نے ان خیالات کو قبول کر کے نہ صرف تشکیک کے لیے راستہ ہموار کیا بلکہ ارتداد و الحاد تک نوبت جا پہنچی۔

اس میں کوئی بوالعجبی نہیں کہ ہمیشہ ارتداد و الحاد کی بنیاد، رواداری کے نرم و

دلکش دعوؤں پر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی ہر نامعقول بات کو نص قطعی سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا اور اس کو رازی و غزالی سے زیادہ اہمیت دی گئی اور اسلام کی ہر نشانی (شعائر اسلام) کا مذاق اڑایا گیا۔ بادشاہ کی ضد کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ کام جس کو اسلام نے پسند کیا ہے اسے ناپسند کرتا اور ہر اس کام کو پسند کرتا جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

- ۱..... اصل نبوت پر شک و شبہ پیدا کر کے اکبر کی نبوت کے لیے راہیں ہموار کی جانے لگیں اور یہ خدمات ابوالفضل کے سپرد ہوئیں۔
- ۲..... شریعت کی پیروی کرنے والوں اور اسلام پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔
- ۳..... اکبر کی مجلس میں حضور انور ﷺ کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی اور اہل قلم کو اپنی کتابوں سے نعت کا باب خارج کرنے کا جبری حکم دیا گیا۔
- ۴..... جس شخص کا نام حضور اکرم ﷺ کے نام پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔
- ۵..... گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔
- ۶..... مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔
- ۷..... مقبروں کو مسمار کیا گیا۔
- ۸..... کافروں کی عبادت گاہوں اور ان کی عبادت کے طریقوں اور ان کے تہواروں کی تعظیم کی جانے لگی۔
- ۹..... کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے آثار مٹا دیئے

جائیں۔

۱۰..... حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ توحید و جود کی غلط تعبیرات کے ذریعے وحدت ادیان کا نظریہ تراشا گیا۔

اس دور میں اسلام کی اس بے چارگی کو دیکھ کر علماء و مشائخ اسلام کے مجاہد بن کراٹھے اور اکبر کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ دیکر اعلان جہاد کیا۔ باقاعدہ بغاوت ہوئی، لڑائیاں ہوئیں، باغی امراء قتل کر دیئے گئے، قاضی بنگال کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا گیا، قاضی برنی کو ذبح کر دیا گیا، قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کر دیا، لاہور کے علماء کو قتل کر دیا گیا، کسی کو جلا وطن اور کسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا..... الغرض اس قدر ظلم و تشدد روا رکھا گیا کہ بڑوں بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکبر کے مقابلے میں میدان چھوڑ گئے۔

دور اکبری میں اسلام کی حالت زار کیا تھی اس حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سے بڑھ کر اور کسی کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے جنہوں نے اس دور کی ایک ایک بات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ حضرت امام ربانی، اکبری دربار کے ایک اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں اسلام کی زبوں حالی اور انحطاط و بے چارگی کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر یوں چیخ و پکار فرمائی

”واویلا و امصیبتا و احسرتا و احزنا! محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوب رب العالمین است صدقان او ذلیل و خوار و منکران اورا بہ عزت و اعتبار“
(دفتر اول مکتوب: ۴۷)

آپ اس امت بے کس کی ذلت و خواری کے نظارے کی تاب نہ لا کر کبھی یوں
گویا ہوئے

آنچه من گم کرده ام گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے
اور کبھی آپ کا دل دیوانہ سرمست بادۂ است بے چین ہو کر تلملا اٹھتا ہے تو یوں
پکارتے ہیں

صَبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنِّي
صَبَّتْ عَلَيَّ الْأَيَّامِ صِدْرَ لَيْالِيهَا

قارئین کرام! دسویں صدی ہجری کے دور اختتام پر اکبر کے الحادی کارناموں،
علمائے سوء اور صوفیائے خام کی عاقبت نااندیشیوں اور منافقانہ پالیسیوں کی وجہ سے
اسلام اور مسلمانوں کی قوت و شوکت کا استیصال ہو چکا تھا، تصور امت دھندلا گیا
تھا، رسومات شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر کر دیا تھا۔
گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی، امت کے اذہان و قلوب
میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ سب سے گہرا اور بنیادی مرض فتنہ ابتداء تھا جس نے عمل و
اعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا۔

ان تفصیلات کے بعد ہمیں خود ہی یہ رائے قائم کر لینی چاہیے کہ حضرت شیخ مجدد کا
جذبہ ایمان و عرفان کس قدر عظیم تھا اور آپ کی طرز تعلیم و تلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ

گیر تھی کہ جس نے امت مسلمہ کو ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں سے بچا کر کشتی اسلام کو کنارے لگا دیا۔

ع این کار از تو آید مرداں چنیں کنند

آپ کی روح اقدس پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے مجاہدانہ ہمت اور مجددانہ عزیمت کے ساتھ پورے ہندوستان کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا اور ایسا علمی، ایمانی، روحانی، انقلاب برپا کیا جو زبردست مسلح، انقلابی تنظیموں سے بھی ممکن نہیں۔ اگر آپ کے انداز تجرید اور نظریہ اصلاح پر گہری نظر دوڑائی جائے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں جو آج بھی امت کی اصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے حرز جاں ہیں۔

خاموش تبلیغ

دور اکبری کے اواخر میں علماء اسلام کے ساتھ حکومت کا رویہ بالکل سخت ہو گیا تھا اور علماء کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے ”أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ (انجیل: ۱۶: ۱۲۵) کے پیش نظر حکمت و دانائی اور رازداری کے ساتھ خاموش تبلیغ کی حکمت عملی اپنائی تاکہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ یہ اصلاحی تحریک، سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے مکی اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے خاموش تبلیغ کی حکمت عملی وضع فرمائی۔ اس خاموش تبلیغ میں علماء و صوفیاء اور مبلغین کی عملی، روحانی تربیت اور باطنی توجہات و تصرفات کا عنصر بھی شامل تھا جس کی وجہ سے جام تبلیغ دو آتشہ ہو گیا تھا۔

خلفاء کے ذریعے دعوت کو عام کرنا

خلفاء و مریدین کے اطراف و اکناف میں پھیلا دینے سے آپ کی اصلاحی تحریک بے حد مؤثر ثابت ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی دعوت عام ہو گئی۔

مکتوبات و تصانیف کا سلسلہ

مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف لطیفہ کے ذریعے ارباب حکومت اور اصحاب دانش کی ذہنی، فکری اور علمی تربیت فرمائی اور روحانی و باطنی تقویت پہنچائی۔

ارباب حکومت کی اصلاح

”النَّاسُ عَلَىٰ دِينٍ مَّالُوْا كَيْهَمُ“ کے مطابق آپ نے ان لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائی جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے اور انہیں ”جرگہ محمدان دولت اسلام“ کے خطاب سے نوازا۔

امور سلطنت میں علماء کو شامل کرنا

صالح اور باکردار علماء کو حکومت کے اہم عہدوں تک پہنچا کر آپ نے امور سلطنت کو اسلام کا جامہ پہنا کر تنفیذ اسلام کی راہیں ہموار فرمائیں۔

علماء و صوفیاء کی اصلاح

اسی طرح آپ نے علماء کے غلط کردار اور صوفیاء کے غلط افکار کی اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات فرمائے۔

کتاب و سنت سے تمسک کی تحریک

آپ نے کتاب و سنت سے کامل تمسک کی تحریک پیدا کر کے مسلمانوں میں راسخ الاعتقاد کی اور راست بازی کا رجحان پیدا کر دیا اور تمام بدعات باطلہ و عقائد فاسدہ کی بیخ کنی کر کے اسلامی تعلیمات کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

”آج جو مساجد میں اذانیں سنائی دے رہی ہیں اور مدارس سے قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى اور قَالَ الرَّسُولُ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر کے حلقے قائم ہیں، آستانوں میں جو لا اله الا الله کی ضربیں لگائی جا رہی ہیں، یہ اہل حق کے چہروں پر جو سنت کا نور ہے اور آنکھوں میں جو محبت کا سرور ہے، یہ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تجدید کا جام طہور ہے۔

اور بقول علامہ اقبال مرحوم

”مغربی دنیا کے افکار و نفسیات جدیدہ ابھی تو افکار مجدد کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکے۔“

قارئین ذی وقار! دنیا کو آج پھر ضرورت ہے مجدد الف ثانی کی..... آج فتنہ ہائے عرب و عجم کی یلغار کے دور میں ضرورت ہے امام ربانی کے افکار کی..... آج یورش ہائے عصر حاضر کے مقابلے میں ضرورت ہے شیخ مجدد کے کردار کی..... ان کے انفاس قدسیہ کی بوباس کی..... ان کی توجہات عالیہ کے اثرات کی۔

ہمیں ضرورت ہے آج پھر کسی سرشار بادۂ مجددیت کے نعرۂ مستانہ کی کہ

جس کا پیکر خاکی ہو مگر پرواز افلاک کی ہو..... وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی

برہان ہو..... قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو..... گو بے زر ہو مگر بالغ نظر

ہو..... وہ کار آشیاں بندی سے دور مگر احساس و خوئے وفائیں مخمور ہو..... وہ موت سے نہیں موت اس سے ڈرتی ہو..... زمانہ اس کو نہیں وہ زمانے کو مسخر کرتا ہو..... وقت اس کو نہیں وہ وقت کو بدلتا ہو..... وہ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جائے مگر مقام رنگ و بو کا راز پا جائے.....

ہاں ہاں! ضرورت ہے کسی ایسے مرد حق آگاہ کی کہ علم اس کا زیور ہو اور حلم اس کی چادر ہو..... وفا اس کی ادا ہو اور رضا اس کی جزا ہو..... صداقت اس کا محمل ہو اور شہادت اس کی منزل ہو..... دانش اس کی بستی ہو اور عشق اس کی مستی ہو..... بخت اس کا رسا ہو اور نظر اس کی کیمیا ہو..... باہوش ایسا کہ شام و سحر کو سمجھے..... پر جوش ایسا کہ شمس و قمر کو لپکے..... وہ تخت کا سکندر بھی ہو اور وقت کا قلندر بھی..... اور وہ مجدد الف ثانی کے کردار کا فیض مجسم بن کر

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے

مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

قارئین کرام! ہم مایوس نہیں ہیں..... یہ دین زندہ نبی کا دین ہے..... یہ زندہ رہے گا..... تا بندہ رہے گا..... مجددین آتے رہیں گے..... زمانے فیض پاتے رہیں گے۔

ذرا کان لگا کر غور سے سنو تو سہی..... آواز آ رہی ہے

”اپنے وقت کا امام آ رہا ہے“

اور سنو! عصر حاضر کی ہر کروٹ بہ بانگ دھل دہائی دے رہی ہے کہ عصر حاضر

کے مجدد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔

ہاں ہاں نظریں اٹھاؤ!..... وہ دیکھو!

مدینے کی گلی سے..... بغداد کے نگر سے..... بخارا کی محفل سے..... اجمیر کی بستی

سے..... سرہند کے چمن سے ہوتا ہوا ایک مرد مجاہد خراماں خراماں میرے دیس کی بستی

میں داخل ہو رہا ہے..... جس کے ساتھ اسلام کی غنیمت فوجیں ہیں..... وہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوائے حرم لے جانے کے عہد و عزم کے ساتھ آ رہا ہے..... ہمارا اسلام ہو اس امام وقت کو کہ اس کے قدموں کی ہر آہٹ ہمارے دلوں پہ دستک دے رہی ہے اور ہماری آنکھیں اس کے استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔

زمانہ منتظر تیری یلغار کا
تری شوخٹی فکر و کردار کا

